بچوں کے لیے دلچسپ، انوکھی، سبق آموز اور منفرد کہانیاں
16
New
Stories
اخلاقی کہانیاں
PDFBOOKSFREE.PK
STORY NO
4
ماسٹر پبلشرز
المعراج سنٹر
22-اُردو بازار لاہور
Courtesy www.pdfbooksfree.pk
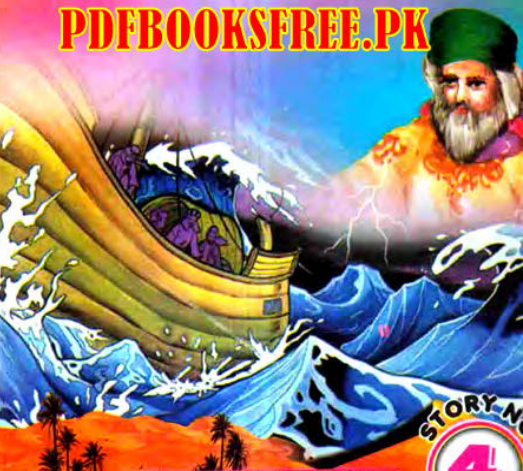
رحمدل پری

پرانے وقتوں کی بات ہے' کوہ قاف کے قریب ایک مُلک پر ایک رحمدل بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کی رحمدلی اور انصاف پسندی کی وجہ سے رعایا اُسے بہت پسند کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا دیا یُوں تو اس کے پاس سب کچھ تھا مگر کوئی اولاد نہ ہونے کی وجہ سے وہ اور اس کی ملکہ ہر وقت اُداس رہتے تھے۔ ایک دن ملکہ محل کی کھڑکی سے شہر کا نظارا کر رہی تھی۔ اس نے دیکھا۔ چند سپاہی ایک بوڑھے آدمی کو مار رہے تھے۔ ملکہ نے کنیز کو حکم دیا کہ سپاہیوں اور بوڑھے آدمی کو اس کے حضور پیش کیا جائے۔ ملکہ کا حکم کون ٹال سکتا تھا۔ فوراً سپاہیوں اور بوڑھے آدمی کو ملکہ کے سامنے حاضر کر دیا گیا۔ ملکہ نے دیکھا۔ غریب بوڑھے آدمی کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اس کے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے اور ان زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

ملکہ نے سپاہیوں سے پُوچھا۔ ''تم بُوڑھے آدمی کو کیوں مار رہے تھے۔ اس نے کیا جُرم کیا ہے؟'' ملکہ کی یہ بات سُن کر سپاہی بولے۔

''ملکہ عالیہ یہ شخص چور ہے۔ ایک جگہ چوری کر کے بھاگنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لوگوں کے شور مچانے پر ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ اس نے ہماری گرفت سے بھاگنے کی کوشش کی۔ اس وجہ سے ہم اسے مار رہے تھے۔'' ملکہ نے بوڑھے آدمی سے پوچھا۔ ''کیوں بڑے میاں تم نے اس عمر میں چوری کیوں کی۔'' یہ سن کر بوڑھے آدمی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ روہانسا ہو کر بولا۔ ''ملکہ عالم' میں سوداگر تھا۔ کچھ عرصہ پہلے میرے جہاز سمندر میں طوفان آنے کی وجہ سے ڈوب

گئے اور سارا سامان ڈوب گیا۔ مَیں اب کوڑی کوڑی کو محتاج ہو گیا ہوں۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے دو دن سے بھوکے تھے۔ مجھے ان کے لئے کھانے کا سامان خریدنا تھا مگر میرے پاس ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ اس وجہ سے مجھے چوری کرنا پڑی۔''

بوڑھے آدمی کی یہ بات سن کر ملکہ کو بڑا دُکھ ہوا۔ اُس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ بوڑھے آدمی کو چھوڑ دیا جائے۔ سپاہیوں کے جانے کے بعد ملکہ نے بوڑھے آدمی کو اشرفیوں کی ایک تھیلی دی۔ اور کہا۔ ''تم اِن اشرفیوں سے اپنا کام دوبارہ شروع کرو۔ دیکھو اب کبھی چوری نہ کرنا۔''

بُوڑھا آدمی اشرفیوں کی تھیلی لے کر جانے لگا تو اس کے دل سے رحمدل ملکہ کیلئے بہت دُعائیں نکل رہی تھیں۔ اُس نے ملکہ سے کہا' ملکہ عالیہ' اللہ تعالیٰ آپ کی جھولی مُرادوں سے بھر دے اور آپ کو ایک خوبصورت بیٹی کی ماں بنا دے۔ یہ کہہ کر بوڑھا آدمی محل سے چلا آیا۔

اس واقعے کے کچھ عرصہ بعد ملکہ کے ہاں ایک خوبصورت سی لڑکی پیدا ہوئی۔ لڑکی پیدا ہونے کی خوشی میں محل کو دُلہن کی طرح سجایا گیا۔ شہر میں چراغاں کیا گیا۔ غریبوں اور محتاجوں میں خیرات تقسیم کی گئی۔ رحمدل بادشاہ کو دُور دُور کے ملکوں کے بادشاہوں کی طرف سے مبارکباد کے پیغامات آئے۔ ایک ہفتے تک سارے ملک میں خوشیاں منائی جاتی رہیں۔

اِن تمام کاموں سے فارغ ہو کر بادشاہ نے اپنے تمام رشتہ داروں کو پیغام بھیجا کہ وہ اس کے مہمان بنیں اور شہزادی کا نام تجویز کریں۔ مقررہ وقت پر بادشاہ اور ملکہ کے تمام رشتہ دار اس کے محل پہنچ گئے۔ ان کے مہمانوں میں تین پریاں بھی تھیں۔ انہوں نے بادشاہ کو یاد دلایا کہ اس نے ''آپی'' جادوگرنی کو دعوت بھیجی ہی نہیں۔ اُسے اس بات پر بڑا غصّہ آئے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو' وہ غصّے میں شہزادی کو

نقصان پہنچائے۔ ابھی پریاں بادشاہ سے باتیں ہی کر رہے تھیں کہ اچانک زور کی آندھی چلنا شروع ہو گئی۔ آندھی کی وجہ سے محل کی کھڑکیاں' دروازے بجنے لگے۔ یُوں لگتا تھا جیسے بھونچال آ گیا ہو۔ تھوڑی دیر بعد بھونچال رُکا تو بادشاہ نے دیکھا۔ شہزادی کے جھولے کے قریب ایک بہت ہی ڈراؤنی شکل والی بُوڑھیا کھڑی کوئی منتر پڑھ رہی ہے۔ بادشاہ ہمت کر کے بُوڑھیا کے قریب پہنچا تو بُوڑھیا غصّے سے بولی۔

''تم نے اپنی بیٹی کا نام رکھنے کے لئے مجھے بلایا نہیں مگر دیکھو مَیں خود ہی پہنچ گئی۔ میں نے تمہاری سزا تو یہ سوچی تھی کہ تمہاری بیٹی کو ہلاک کر دوں لیکن تمہاری رحمدلی کی وجہ سے مَیں نے اسے زندہ چھوڑ دیا ہے۔ اب یہ سولہ سال کی عمر میں ایک زہریلی سُوئی انگلی میں چُبھنے سے صرف بے ہوش ہو جائے گی اور اگر بے ہوش ہونے کے دس دن بعد تک اسے ہوش نہ آیا تو وہ بے ہوشی کے عالم میں مَر جائے گی۔ اِس سے پہلے کہ بادشاہ اُس سے رحم کی درخواست کرتا۔ بُوڑھیا ہوا میں گم ہو چکی تھی۔

بادشاہ اور ملکہ بُوڑھیا کی باتیں سُن کر پریشان ہو گئے۔ اتنے میں پَریاں اُن کے قریب پہنچ گئیں۔ پریوں نے بادشاہ اور ملکہ کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔'' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ انشاء اللہ شہزادی زندہ رہے گی مگر اس کا نام شہزادی ماہ نور رکھنا ہوگا۔ ہم ایک ماہ بعد آئیں گے اور آپ کو آنے والے حالات سے آگاہ کریں گے۔

پریوں کے جانے کے بعد بادشاہ نے دربار کے نجومی کو بُلایا اور اُسے حکم دیا کہ وہ شہزادی کے مستقبل کے بارے میں پتا چلائے۔ نجومی چند دن کی اجازت لے کر چلا گیا۔ اس نے اپنی گنبد نما تجربہ گاہ میں بیٹھ کر شہزادی ماہ نور کی زندگی کے بارے

حساب لگانا شروع کر دیا۔

ایک ہفتہ بعد نجومی بادشاہ کے دربار میں پیش ہوا اس نے بادشاہ کو بتایا۔

"بادشاہ سلامت شہزادی ماہ نور تو بڑی خوش قسمت ہے۔ اگرچہ جادوگرنی کے کہنے کے مطابق سولہ سال کی عمر میں وہ زہریلی سوئی چبھنے سے بے ہوش تو ہو گی مگر اُسے نئی زندگی دینے والا ایک بہت بڑے مُلک کا شہزادہ ہو گا۔ اُسی سے شہزادی ماہ نو(ر) کی شادی ہو گی مگر افسوس میں زیادہ تفصیل سے آپ کو نہیں بتا سکتا کہ شہزادہ کہاں سے آئے گا اور کب آئے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری تجربہ گاہ پر جادوگرنی۔ جادو کے زور سے بادلوں کا سایہ کر دیا ہے۔ اب میری دوربینیں کام نہیں کر رہی ہیں۔ جن سے میں ستاروں کی گردش کا پتا چلاتا ہوں۔ بادشاہ یہ بات سُن کر خاموش ہو گیا۔

ایک ماہ بعد پریاں بادشاہ کے محل میں دوبارہ پہنچیں۔ انہوں نے ملکہ اور بادشاہ کو بتایا کہ شہزادی ماہ نور کو ہوش میں لانے والا شہزادہ مغرب کے کسی مُلک سے آئے گا۔ اس کا نام شاہ زیب ہو گا۔ ہم نے اس کا پتہ چلا لیا ہے۔ آپ کو شہزادی کے لئے اب فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کہہ کر پریاں واپس چلی گئیں۔

وقت گزرتا گیا' شہزادی جوان ہوتی گئی۔ ملکہ اور بادشاہ یہ بھی بھول گئے کہ شہزادی کے لئے منحوس سال قریب آتا جا رہا ہے۔ ایک دن شہزادی ماہ نور باغ میں گئی۔ اس نے مالن کو ہار بناتے دیکھا تو اس نے مالن سے کہا۔ "لاؤ سوئی ہمیں دکھاؤ ہم بھی ہار پروئیں گے۔" بھلا مالن شہزادی کا حکم کیسے ٹال سکتی تھی۔ اس نے سوئی اور پھولوں کی ٹوکری شہزادی کے سامنے رکھ دی۔ شہزادی نے ابھی دو(ایک) پھول دھاگے میں پرو دیا تھا' کہ اچانک سوئی اس کی انگلی میں چبھی اور وہ ہائے اللہ

میں مَری کہتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہو گئی۔ محل میں کہرام مچ گیا۔ تمام مصروفیات ترک کر دی گئیں۔ چند لمحوں میں خوشی کی جگہ افسردگی اور افسوس نے لے لی۔ ملکہ اور بادشاہ نے جب یہ خبر سُنی تو وہ غم سے نڈھال ہو گئے۔ اُنھوں نے شہزادی کو اس کی خواب گاہ میں لِٹایا اور ماتمی لباس پہن لیا۔ شہزادی ماہ نور کو بے ہوش ہوئے دو یا تین گھنٹے ہی گزرے ہوں گے کہ تینوں پریاں محل میں پہنچیں اور انھوں نے ملکہ کو بتایا۔

"ہم نے شہزادہ شاہ زیب کو تلاش کر لیا ہے۔ آج کل اس کا باپ سخت بیمار ہے۔ شاہی حکیم نے اسے پیلا گلاب لانے کو کہا ہے۔ پیلے گلاب کا دُنیا میں ایک ہی پودا ہے۔ اور وہ پودا ہماری نانی کے باغ میں ہے۔ ہم اسے پیلا گلاب دے کر شہزادی کو ہوش میں لانے کے لئے اس سے مدد مانگیں گے۔ ہمیں اُمید ہے وہ اس شرط پر پیلا گلاب لینا قبول کر لے گا۔" پریوں نے دیکھا' بادشاہ اور ملکہ اُن کی اس گفتگو سے مطمئن نہیں ہیں۔ چنانچہ انہوں نے فیصلہ کیا کہ محل کے تمام لوگوں کو اتنے عرصے کے لئے گہری نیند سُلا دیا جائے۔ جب تک شہزادہ شاہ زیب شہزادی کی مدد کو نہ پہنچ جائے۔ اُنہیں خطرہ تھا کہیں ملکہ اور بادشاہ شہزادی کے غم میں پاگل نہ ہو جائیں۔ یہ سوچ کر انہوں نے جادو کے زور سے محل کے سارے لوگوں کو بے ہوش کر دیا۔ اگر کوئی غلام صفائی کر رہا تھا تو وہ وہیں بے ہوش ہو گیا۔ کوئی پانی بھر رہا تھا تو پانی بھرتا رہ گیا۔ بادشاہ قلم مُنہ میں لئے خاموش ہو گیا۔ اُدھر ملکہ کی آنکھوں میں آنسو بھرے کے بھرے رہ گئے۔

مصر کا شہزادہ شاہ زیب ایک رات اپنے محل کی چھت پر سو رہا تھا۔ اچانک اسے یُوں محسوس ہوا جیسے اس کے سرہانے کی طرف کوئی کھڑا ہے۔ اس نے فوراً نیام میں سے تلوار نکالی اور چلّایا "کون ہے جو ہماری اجازت کے بغیر ہماری

خواب گاہ میں چلا آیا ہے۔" اچانک خواب گاہ کی شمع خود بخود جل اُٹھی۔ اس نے دیکھا' اس کے سرہانے ایک خوبصورت پری کھڑی ہے۔ اُس نے ذہن پر زور دیا تو اسے یاد آ گیا۔ اس نے پوچھا" اگر میں بھول نہیں رہا تو تم نیلم پری ہو۔ تم نے مجھے پیلا گلاب لا کر دیا تھا جس کی پنکھڑیاں کھا کر میرے والد صحت مند ہو گئے تھے۔" شہزادے کی یہ بات سُن کر پری بولی" ہاں شہزادے میں نیلم پری ہی ہوں۔ تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تمہیں پیلا گلاب لا دوں تو تم میرا ایک کام کرو گے' کیا تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے؟

پری کی یہ بات سُن کر شہزادہ بولا۔" نیک دل پری شہزادہ کبھی اپنا وعدہ نہیں بھول سکتا میں اپنی جان پر کھیل کر تمہارا ہر کام کروں گا۔ تم ایک مرتبہ کام کہہ کر تو دیکھو۔" پری نے شہزادے شاہ زیب سے کہا" میرا کام نہایت معمولی ہے۔ تھوڑی سی جرأت کی ضرورت ہے۔ شہزادے نے پری کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ " تم مجھے بتاؤ تو سہی مجھے تمہارے لئے کیا کرنا ہے؟ پھر میں جانوں اور میرا کام۔" پری کہنے لگی۔ پیارے شہزادے تمہارے مُلک کے شمال مغرب میں ایک بہت بڑا جنگل ہے۔ اس جنگل کے سب سے پُرانے درخت کی کھوہ میں ایک خفیہ راستہ ہے جو آبی جادو نگری میں جا کر کھلتا ہے۔ یہاں کی ظالم جادوگرنی نے ایک خوبصورت شہزادی کو تین دن سے بے ہوش کر رکھا ہے۔ اگر وہ دس دن تک ہوش میں نہ آئی تو مر جائے گی۔ اگر کسی طرح "آبی" جادوگرنی کو ہلاک کر دیا جائے تو شہزادی کو دوبارہ ہوش میں لایا جا سکتا ہے۔ چونکہ تم ایک بہادر اور نیک دل شہزادے ہو' اس لئے میں نے سوچا' شہزادی کو ہوش میں لانے کے لئے کیوں نہ تمہاری مدد حاصل کروں۔ ویسے یہ میرا وعدہ ہے کہ اگر تم "آبی" جادوگرنی کو ہلاک کرنے اور شہزادی کو ہوش میں لانے میں کامیاب ہو گئے تو تمہاری شادی شہزادی ماہ نور سے

کر دی جائے گی۔ جو دنیا کی حسین ترین لڑکی ہے۔ اس سے زیادہ خوبصورت لڑکی اس وقت کوہ قاف میں بھی نہیں۔" نیلم پری کی یہ بات سُن کر شہزادہ شاہ زیب غصے سے بولا' ذرا تم مجھے بتاؤ تو سہی' جادوگرنی کو کیسے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ میرا دل ظالم جادوگرنی سے انتقام لینے کے لئے بے چین ہے۔ بھلا وہ کون ہوتی ہے بلاوجہ کسی کو تنگ کرنے والی؟

شہزادے ذرا صبر سے کام لو! تم نے وعدہ کر لیا ہے تو اب میں تمہیں تفصیل سے بتاؤں گی کہ جادوگرنی کو کیسے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ ویسے بھی ہلاکت کا ابھی وقت نہیں آیا۔ میں چند دنوں بعد دوبارہ آؤں گی۔ تب میں تمہیں بتاؤں گی۔ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اچھا خدا حافظ۔ اتنا کہہ کر پری نے اپنے پَر پھیلائے اور وہ ہوا میں اُڑتی ہوئی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔

وعدے کے مطابق نیلم پری جب دوبارہ شہزادہ شاہ زیب کو ملی تو اس نے شہزادے کو ایک بنسری دیتے ہوئے کہا۔" بہادر شہزادے جب تم درخت کی کھوہ میں داخل ہو گے تو تمہیں انتہائی خوفناک اور ڈراؤنی آوازیں سُنائی دیں گی۔ تم بے خوف و خطر اس راہ پر سیدھے آگے کی طرف بڑھتے چلے جانا۔ جب تم ایک میل کا فاصلہ طے کر جاؤ گے تو تمہیں ایک درخت کے اِرد گرد بہت سے سانپ رینگتے ہوئے دکھائی دیں گے۔ اُس جگہ تم اس بنسری سے کام لینا۔ بنسری بجاتے ہی سارے سانپ مدہوش ہو جائیں گے۔ اس درخت پر ایک پنجرے میں نیلے رنگ کا طوطا بند ہو گا۔ تم پنجرے میں سے طوطے کو نکال کر اس کی دائیں ٹانگ مروڑ دو گے تو آبی جادوگرنی اپنی ٹانگ پکڑے تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔ وہ تمہیں خوفزدہ کر کے طوطا حاصل کرنے کی کوشش کرے گی مگر خبردار تم اسے طوطا کسی قیمت پر نہ دینا بلکہ اس کے سامنے طوطے کی گردن مروڑ دینا۔ طوطے کے مرتے ہی آبی جادوگرنی بھی

مرجائے گی۔اس کا طلسم تباہ ہو جائے گا اور شہزادی ماہ نور کی بے ہوشی ختم ہو جائے گی مگر وہ نیند سے اس وقت بیدار ہو گی جب تم اس کا نام لے کر پکارو گے۔"

شہزادے نے پری سے پوچھا۔"رحم دل پری یہ تو بتا دو کہ مَیں شہزادی ماہ نور تک کیسے پہنچوں گا۔" شہزادے کی یہ بات سُن کر پری بولی۔"جب جادو نگری تباہ ہو جائے گی تو وہاں ریگستان رہ جائیگا تم ریگستان کو شمال کی طرف سے پار کرو گے تو تمہیں چند میل کے فاصلے پر ایک محل نظر آئے گا اس کی ہر شے پر نیند طاری ہو گی۔ جب تم محل میں داخل ہو گے تو شہزادی ماہ نور کی خواب گاہ کا راستہ تمہیں معلوم ہو جائے گا۔تم ماہ نور کو آواز دو گے تو وہ نیند سے بیدار ہو جائیگی۔اس کے جاگتے ہی سارا محل دوبارہ ہوش میں آجائے گا۔اچھا مَیں اب چلتی ہوں۔تم پیر کے دن سفر پر روانہ ہو جانا۔کسی بھی مشکل کے وقت تم مجھے قریب پاؤ گے۔"

پیر کے روز صبح سویرے شہزادے نے اپنے والدین سے اجازت لی اور وہ اپنے گھوڑے پر شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گیا۔مسلسل چھ گھنٹے کا سفر طے کر کے شہزادہ ایک ایسے جنگل میں پہنچ گیا جسے چاروں طرف سے بڑے بڑے تنوں اور لمبی شاخوں والے درختوں نے ڈھانپ رکھا تھا۔درخت اتنے گھنے تھے کہ سُورج کی روشنی بھی وہاں تک پہنچ نہیں پا رہی تھی۔شہزادے نے جنگل میں پہنچتے ہی سب سے پُرانے درخت کی تلاش شروع کر دی اور بالآخر وہ ایک ایسے درخت تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا جس کا تنا کم از کم دس فٹ چوڑا تھا۔اس میں ایک دروازہ بھی بنا ہوا تھا۔دروازے کے باہر ایک بورڈ پر لکھا ہوا تھا"آبی جادو نگری"اس کے ساتھ ہی ایک کھوپڑی بنی ہوئی تھی جس پر خطرہ بنا ہوا تھا۔اس بورڈ کو پڑھ کر شہزادہ ایک منٹ کیلئے رُکا۔پھر اس نے اپنے وفادار گھوڑے کو تھپکی دی اور کہا۔"غازی مرد ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔" یہ کہتے ہی اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی

سے جادو نگری میں داخل ہو گیا۔درخت کی کھوہ میں داخل ہوتے ہی اس نے چاروں جانب سے شیروں' چیتوں اور جنگلی جانوروں کے چیخنے چنگھاڑنے کی آوازیں سُنیں۔اچانک اسے نیلم پری کی باتیں یاد آگئیں کہ آوازوں سے بالکل نہ ڈرنا' نیلم پری کا خیال آتے ہی اُس نے گھوڑے کو تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"پیارے ساتھی! ان آوازوں سے کیا ڈرنا یہ تو تمام نقلی ہیں۔" یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔اُس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر اطمینان کر لیا کہ بنسری موجود ہے۔آدھ گھنٹے بعد وہ ایک ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں ایک درخت کے اِرد گرد بے شمار سانپ موجود تھے۔اسے درخت کی ایک شاخ پر نیلے رنگ کا طوطا پنجرے میں بند نظر آگیا۔شہزادے نے مزید تاخیر کئے بغیر بنسری بجانا شروع کر دی۔اگرچہ شہزادہ بنسری بجانا نہیں جانتا تھا مگر اس نے محسوس کیا کہ سانپ بنسری کی آواز پر مدہوش ہوتے جا رہے ہیں۔یہ دیکھ کر اس نے گھوڑے کو ایک لمبی جست لگانے کے لئے تیار کیا۔اس نے ایک طویل چکر کاٹ کر درخت سے کافی فاصلہ سے گھوڑے کی باگیں کھینچیں۔گھوڑے نے ہنہنا کر ایک چھلانگ لگائی اور وہ درخت کے نیچے پہنچ گیا۔

شہزادہ شاہ زیب بنسری بجاتا ہوا گھوڑے پر کھڑا ہو گیا۔اس نے پنجرے کو درخت پر سے اُتارا اور اس کا دروازہ کھول کر طوطے کو باہر نکال لیا۔طوطے نے اس کے ہاتھ میں آتے ہی کہا۔"پیارے شہزادے اگر تم مجھے رہا کر دو تو میں تمہارا احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔طوطے کی یہ بات سُن کر شہزادہ بھول گیا کہ وہ یہاں کس مقصد کے لئے آیا ہے۔اس سے پہلے کہ وہ طوطے کو آزاد کر دیتا اس کے کانوں میں نیلم پری کی آواز آئی "شہزادے کیا غضب کرتے ہو۔اس کی دائیں ٹانگ مروڑ دو۔اگر تم نے اسے آزاد کر دیا تو اپنے ساتھ مجھے بھی مصیبت میں

جتلا کردو گے۔" نیلم پری کی آواز سنتے ہی شہزادے نے طوطے کی دائیں ٹانگ مروڑ دی۔ ٹانگ مروڑتے ہی ایک زبردست آندھی چلنا شروع ہوئی اور شہزادے کو اپنے چاروں طرف سے ایک بار پھر خوفناک آوازیں سنائی دینے لگیں۔

آندھی کے رُکتے ہی ایک کُبڑی' ڈراؤنی شکل والی بڑھیا شہزادے کو اپنے سامنے کھڑی دکھائی دی۔ وہ شہزادے کی منتیں کر رہی تھی۔ شہزادے طوطے کو آزاد کردو' میں شہزادی کو ہوش میں لے آؤں گی۔" مگر اب شہزادہ اس کے جال میں پھنسنے والا نہ تھا۔ اُس نے زور لگا کر طوطے کی گردن مروڑ دی۔ طوطے کی گردن ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی جادوگرنی "ہائے میں مری" کہتے ہوئے زمین پر گری اور اسکے جسم میں آگ لگ گئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ ساری زمین ہلنے لگی۔ گڑگڑاہٹ کی آواز اتنی تیز تھی کہ شہزادہ بے ہوش کر گر پڑا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اُس نے اپنے آپ کو اور گھوڑے کو ایک ریگستان میں پڑا پایا۔

ابھی وہ شمال کی سمت تلاش ہی کر رہا تھا کہ نیلم پری اس کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ اُس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ اشارے کے ساتھ ہی شہزادے کو یُوں محسوس ہوا جیسے وہ ہوا میں تیر رہا ہو۔ چند لمحوں کے بعد وہ اور اس کا گھوڑا ایک محل کے دروازے پر کھڑے تھے۔ شہزادہ محل میں داخل ہوا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ محل میں گہری خاموشی طاری ہے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے یہاں کوئی موجود ہی نہ ہو۔ مگر محل میں کنیزیں' غلام اور محل کی ہر شے اپنی اپنی جگہ پتھر کے بُت دکھائی دیتے تھے۔ ایک جگہ ایک کنیز ایک طشت میں کپڑے لے کر جا رہی تھی۔ اس سے آگے ایک کنیز نیل' کنگھی چوٹی کا سامان خوب صُورت رکابی میں رکھے لے جا رہی تھی۔
شہزادے نے اندازہ لگایا کہ یہ شہزادی کے کمرے میں جا رہی تھیں۔ یہ

سوچتے ہی شہزادہ کمرے کی طرف مُڑ گیا۔ جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوا' اپنے سامنے مسہری پر ایک خوبصورت شہزادی کو بے ہوشی کی حالت میں دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ بے شک میں نے ایسی خوب صُورت شہزادی کبھی نہیں دیکھی۔ اچانک اُسے نیلم پری کی بات یاد آ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر شہزادی سے کہا۔

"شہزادی ماہ نور ہوش میں آؤ۔" "آپ جادوگرنی کا طلسم ٹوٹ چکا ہے۔"

شہزادے کا اتنا کہنا تھا کہ شہزادی مسہری پر اُٹھ بیٹھی۔ اس کے بیدار ہوتے ہی ایک دم سارا محل حرکت میں آ گیا۔ اُسی وقت نیلم پری وہاں پہنچ گئی' اُس نے شہزادہ شاہ زیب کو کاندھے سے پکڑا اور وہ اسے لے کر بادشاہ کی طرف چل دی جو بھاگا بھاگا ہوا شہزادی کے کمرے کی جانب آ رہا تھا۔

جب اس نے شہزادی کو ہوش میں پایا تو وہ "میری بیٹی" کہتا ہوا شہزادی سے چمٹ گیا۔ اتنے میں ملکہ بھی وہاں پہنچ گئی۔ اب تو اُن کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ جب وہ آپس میں مل چکے تو نیلم پری نے شہزادے شاہ زیب کو بادشاہ اور ملکہ سے ملایا۔ بادشاہ اور ملکہ اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور انھوں نے شہزادے شاہ زیب کے ساتھ شہزادی ماہ نور کی شادی کا اعلان کر دیا۔ جب اُن کی شادی ہو رہی تھی تو نیلم پری کی دونوں بہنیں بھی وہاں پہنچ گئیں۔ شہزادہ شاہ زیب کچھ عرصہ بعد اپنی دُلہن کو لے کر مُلک چلا گیا اور وہ ہنسی خوشی رہنے لگے۔

☆☆☆

جل پری

یہ کافی پرانے زمانے کی بات ہے۔ جب پرستان کے لوگ انسانوں کی دنیا میں آتے تھے اور بعض اوقات انسان بھی پرستان میں بطور تفریح چلے جاتے تھے۔ ان دنوں پرستان پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ یہ بادشاہ طاقت کے لحاظ سے بھی بہت طاقتور تھا۔ اس کے علاوہ کئی لاکھ فوج بھی اس کے ماتحت تھی اور ساتھ ہی ساتھ بے شمار ہیرے اور جواہرات بھی اس بادشاہ کے قبضے میں تھے لیکن اس کے باوجود بہت رحمدل اور نیک فطرت تھا۔ کوئی بھی غریب پری یا پریزاد اس کے دربار سے خالی ہاتھ نہیں جاتا تھا۔ بادشاہ اپنی عوام کو بھی اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا' یہی وجہ تھی کہ تمام پرستان کے لوگ بادشاہ سے محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کو دو خوبصورت بیٹیوں سے نوازہ تھا۔ بڑی بیٹی کا نام ستارہ پری تھا جو کہ اپنے ماں باپ کی طرح بہت رحمدل اور سادہ طبیعت واقع ہوئی تھی' اس کے برعکس چھوٹی بیٹی جس کا نام چاند پری تھا وہ اپنے باپ اور بہن کی نسبت بالکل کم عقل اور سنگدل ثابت ہوئی تھی۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک غریب پری جس کو چند پیسوں کی ضرورت تھی وہ ناسمجھی کی وجہ سے چاند پری کے پاس آگئی اور اس سے کچھ امید باندھی مگر چاند پری نے اس کو کہا کہ تم غریب پریزاد ہمارے ملک پر ایک گندگی کا دھبہ ہو اور پیسے مانگنے اس طرح آجاتے ہو جیسے یہ تمہارے باپ کی جاگیر ہے۔ اتنا کہنے کے بعد چاند پری نے اپنے غلاموں کو بلایا اور ان کو کہا کہ اس بدذات کو دو کوڑے مار کر محل سے باہر نکال دو۔

چنانچہ اس پری نے رونا شروع کر دیا کہ خدا کے لئے چاند پری مجھ پر رحم فرمائیں۔ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے جو میں نے آپ سے پیسے مانگے۔ ابھی غلاموں نے پری کو پکڑا ہی تھا کہ اتنے میں ستارہ پری اس جگہ پر آگئی! اس نے جب اس جگہ پر شور شرابہ دیکھا تو چاند پری سے پوچھا کہ بہن بات کیا ہے۔ تم بہت غصے میں دکھائی دے رہی ہو تو چاند پری نے نہایت غصے میں جواب دیا کہ دیکھو تم مجھ سے بڑی ضرور ہو مگر تم کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ تم میرے ذاتی معاملے میں دخل دو۔ اس پر ستارہ پری نے جواب دیا۔ "تمہاری اسی عادت کی وجہ سے تمام پرستان تم کو پاگل پری کہتا ہے۔" یہ سن کر چاند پری اور زیادہ گرم ہوگئی اور بولی کہ دیکھو تم یہاں سے چلی جاؤ ورنہ مجھ سے کوئی بدتمیزی سرزد ہو جائے گی۔ اس پر ستارہ پری نے پوچھا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ اس پری کا کیا قصور ہے؟ چاند پری نے جواب دیا کہ اس کا صرف یہ قصور ہے کہ یہاں ان کے باپ دادا کی جائیداد ہے جو بھیک مانگنے چلے آتے ہیں۔ یہ سن کر ستارہ پری فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ کیا ہے۔ اس نے فوراً غلاموں کو حکم دیا کہ اس کو چھوڑ دو اور ہاں چاند پری بہن اُس پری کی طرف سے میں تم سے معافی مانگتی ہوں۔ یہ سن کر غلاموں نے اس پری کو چھوڑ دیا۔

ستارہ پری اس غریب پری کو اپنے ساتھ لے گئی اس کی کچھ مالی امداد کی اور ساتھ میں اپنی بہن کی طرف سے اس سے معافی مانگی اتفاق سے اسی وقت ایک فرشتہ سیرت بزرگ جو پرستان میں کسی کام سے آئے ہوئے تھے وہ یہ سب معاملہ دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دل میں سوچا کہ چاند پری تو بالکل پاگل ہے بلکہ ظالم ہے اگر اس پری کو سزا نہ ملی تو یہ پرستان میں رہنے والوں کے لئے آفت بن جائے گی۔ بس انہوں نے دل میں سوچا کہ میں دربار جاؤں گا۔ پس دوسرے دن جب دربار لگا ہوا تھا اور دربار میں بڑی رونق تھی سونے کی تین کرسیاں سامنے تخت پر

بچھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں پرستان کا بادشاہ بیٹھا تھا۔ ایک طرف ستارہ پری بیٹھی تھی اور دوسری طرف چاند پری بیٹھی تھی' بادشاہ سلامت ہر ایک کی فریاد سن رہے تھے اور بڑے انصاف سے فیصلے کر رہے تھے۔ تمام لوگ خاموشی سے بیٹھے تھے کہ اچانک سامنے سے ایک سفید لباس میں ایک بزرگ نمودار ہوئے اور فوراً شاہ پرستان کے سامنے پہنچ گئے۔ بادشاہ نے بڑے غور سے اُن کی طرف دیکھا اور بڑے اخلاق سے ان کے آنے کی وجہ پوچھی اس پر وہ بزرگ کچھ دیر کے لئے خاموش رہے۔ پھر انہوں نے اپنی خاموشی کو توڑا اور کہا کہ اے بادشاہ کیا میں تجھ سے کچھ مانگوں تو تو دے گا۔ اس پر بادشاہ نے بڑے پیار سے جواب دیا ہاں ضرور اگر میرے بس میں ہوا تو میں اپنی جان دے کر بھی آپ کو وہ چیز ضرور دوں گا۔ اس کے بعد یہ سن کر وہ بزرگ بولے مجھے تمہاری جان کی کوئی ضرورت نہیں میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ صرف ایک دن کے لئے آپ مجھے تخت پر بٹھا دیں۔ پرستان کے بادشاہ نے جب یہ سنا تو وہ بڑا حیران ہوا کہ یہ تو بڑی عجیب قسم کی خواہش ہے' مگر بادشاہ کو معلوم تھا کہ آج تک کوئی بھی سوالی اس کے در سے خالی ہاتھ نہیں گیا ہے اور یہ بھی نہیں جائے گا۔ بس بادشاہ نے کہا کہ آیئے جناب آپ میری کرسی پر بیٹھ سکتے ہیں۔ یہ کہہ کر جیسے ہی بادشاہ کرسی سے اٹھنے لگا، چاند پری ایک دم اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی' چاند پری کی دونوں آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں' اس نے اپنی گرجدار آواز نکال کہا۔

''اے ذلیل بدذات بوڑھے تجھے ہمت کیسے ہوئی اس قسم کی خواہش کرنے کی۔ تجھے تیری اوقات بھول گئی جو تو نے ایسی جرأت کی ہے۔'' بادشاہ نے چاند پری کو چپ کرا دیا مگر اس بوڑھے بزرگ نے جواب دیا ''ہم تو اللہ سے پیار کرنے والے ہیں ہمیں اس بادشاہت سے کیا لینا ہے یہ تو صرف بادشاہ کا امتحان

تھا جس میں وہ پورا اترا اور خاص طور پر چاند پری کا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ یہ پری بہت بدتمیز اور ظالم ہے اس لئے میں نے اس قسم کی خواہش ظاہر کی تاکہ یہ پاگل پھر اپنے اندر کا گند باہر نکالے اور اب اس پری کو اپنے کئے کی سزا ضرور ملے گی کیونکہ اس نے غریب پریوں اور پری زادوں پر بہت ظلم کئے ہیں ان کی زندگیوں کو اجیرن بنا رکھا ہے۔''

یہ کہہ کر اس بزرگ نے چاند پری پر ایسی پھونک ماری کہ اس کا تمام جسم پتھر کا بن گیا مگر گردن سے سر تک زندہ رہا تاکہ چاند پری اپنی حالت پر دو آنسو بہائے۔ بادشاہ نے جب اپنی بیٹی کی یہ حالت دیکھی تو وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔ اس نے فوراً اس بزرگ کے پاؤں پکڑ لئے اور کہنے لگا۔ اے بزرگ میری بیٹی کو معاف کر دو۔ اس بزرگ نے جواب دیا تیری بیٹی بڑی ظالم ہے اور ہاں غور سے سنو! میں نے اس کو پتھر کا بنا دیا ہے مگر اس کو واپس انسان بنانا میرے بس میں نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ سب کے سامنے نظروں سے اوجھل ہو گیا!

بزرگ کے غائب ہو جانے کے بعد تمام لوگ واپس چلے گئے بادشاہ اور ستارہ پری کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ چاند پری بھی اپنی حرکتوں کو یاد کر کے زار و قطار رو رہی تھی۔ مگر اب پچھتاتے کیا ہو' جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ ستارہ پری نے چاند پری سے کہا کہ بہن میں نے تم کو کئی بار سمجھایا تھا کہ کبھی کسی سے بدتمیزی مت کرو' کسی پر ظلم مت کرو' مگر تم ہمیشہ میری باتوں کو ان سنی کر دیتی تھیں۔ اب تم نے دیکھ لیا اس کا انجام۔ یہ سن کر چاند پری نے کہا کہ میں نے اب سچے دل سے توبہ کر لی ہے' مگر بہن مجھے اس مصیبت سے نجات دلاؤ' ورنہ کھلا دو یا کر مجھے ختم کر دو کیونکہ ایسی زندگی سے موت بہتر ہے!

اس پر ستارہ پری نے کہا تم ہمت مت ہارو اور اب ہمیں سوچنے کا موقع

دو۔ چاند پری کے پتھر بن جانے کے بعد ستارہ پری اس کے ساتھ ہی رہتی تھی تاکہ
اس کو اپنے اکیلے پن کا احساس نہ ہو۔ اس کے علاوہ وہ کافی غور بھی کر رہی تھی کہ
چاند پری کو اس مصیبت سے کیسے چھٹکارا دلایا جائے۔ آخر اس کی سمجھ میں ایک
ترکیب آ گئی۔ اس نے اپنے باپ سے کہا! کہ ہمارے پرستان میں ایک بہت نیک
اور شریف بزرگ بھی تو ہیں جو کسی سے نہیں ملتے۔ اگر ہم نے ان کے پاس جا
ان کے پیروں میں گر جائیں تو مجھے امید ہے کہ وہ ضرور اس کا کوئی نہ کوئی حل نکالیں
گے۔ یہ بات پرستان کے بادشاہ کی سمجھ میں آ گئی۔ چنانچہ دوسرے دن وہ دونو
اس بزرگ کے پاس پہنچ گئے' جو کہ پرستان کے جنگل میں رہتے تھے۔ بادشاہ
فوراً جا کر ان کے قدموں میں اپنا سر رکھ دیا اور زار و قطار رونے لگا۔ اس پر
بزرگ جو اپنی عبادت میں مصروف تھے۔ بولے "اٹھو بیٹا! میں سب جانتا ہوں
کس لئے میرے پاس آئے ہو؟ مگر یہ بات یاد رکھو کہ اس پری کو سزا بالکل ٹھیک
ہے مگر وہ اب پہلے سے کافی ٹھیک ہو چکی ہے۔ بادشاہ اور ستارہ پری نے بز
سے کہا کہ وہ اب کبھی کسی سے برا سلوک نہیں کرے گی!

آپ چاند پری کو دوبارہ صحیح حالت میں لانے کے لئے کچھ بتائیں۔

پر وہ بزرگ بولے چند منٹوں کے لئے مجھے سوچنے کا موقع دیں۔ انشاء اللہ
کوئی نہ کوئی حل ضرور نکلے گا۔ اس کے بعد وہ بزرگ خاموش ہو گئے اور انہوں
اپنی دونوں آنکھوں کو بھی بند کر لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک سوچنے کے بعد
آنکھوں کو کھولا اور بولے "سنو! انسانوں کی دنیا میں جنوب کے جنگل کی طرف
دریا ہے اس دریا میں مچھلیوں کی ملکہ رہتی ہے' جس نے ایک مرغی پال رکھی ہے
اس مرغی کو حاصل کر کے اس کو ذبح کر کے اس کے خون سے چاند پری کو
جائے تو پری اپنی اصلی حالت میں دوبارہ واپس آ سکتی ہے۔ یہ سن کر ستارہ پری

سے کہا "مگر وہ مرغی جس سے جل مچھلی محبت کرتی ہے ہمیں کیسے دے دے
گی۔ یہ سن کر اس بزرگ نے ایک پھول ستارہ پری کو دیا اور کہا۔ "سنو! آج چاند
کی گیارہ تاریخ ہے تم چاند کی چودہ تاریخ کی رات کو اس دریا پر پہنچ جانا' کیونکہ
چاند کی چودہ تاریخ کی رات کو مچھلی ملکہ اپنے دریا میں سے نکل کر خشکی پر آ جاتی
ہے۔ ان دنوں مچھلی کے سر میں بہت شدید قسم کا درد ہو رہا ہوتا ہے' اگر تم یہ پھول
اس مچھلی کو کھلا دو گی تو وہ فوراً ٹھیک ہو جائے گی۔ بس جس وقت وہ ٹھیک ہو جائے گی
تو خوش ہو کر تم سے پوچھے گی کہ تم کیا چاہتی ہو۔ بس تم انعام میں اس مرغی کو مانگ
لینا۔ وہ ضرور مرغی تمہارے حوالے کر دے گی۔" اس کے بعد وہ بزرگ خاموش ہو
گئے۔

ستارہ پری نے اس پھول کو بڑی حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھ لیا۔
اس کے بعد اس بزرگ نے کہا۔ "اب تم جا سکتے ہو کیونکہ میں نے عبادت کرنی
ہے۔" اس کے بعد وہ بزرگ اپنی عبادت میں مشغول ہو گئے اور ستارہ پری اور
بادشاہ واپس اپنے محل میں آ گئے۔ محل میں آنے کے بعد بادشاہ نے کہا کہ کاش میرا
کوئی بیٹا ہوتا تو اس وقت میری مصیبت میں کام آتا۔ اب میں خود اس دریا پر
جاؤں گا مگر یہ سن کر ستارہ پری نے کہا کہ جب تک آپ کی بڑی بیٹی زندہ ہے۔
آپ کو تکلیف کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا۔ "مگر آپ کیسے
بیٹی! اکیلے جاؤ گی۔" اس پر ستارہ پری بولی۔ "ابا حضور خدا پر بھروسہ رکھیں انشاء
اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

چنانچہ چودہ تاریخ بھی آ گئی ہر طرف چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ ستارہ پری
انسانوں کی دنیا میں پہنچ گئی۔ یہاں پہنچ کر اس نے جنوب کی طرف اپنا رخ کیا' چند
لمحوں میں اس کو وہ جنگل مل گیا جس جگہ وہ دریا تھا۔ ستارہ پری اس وقت بڑی تیزی

کے ساتھ اڑ رہی تھی' تھوڑی دیر کی محنت کے بعد اس کو وہ دریا مل گیا' بس وہ فوراً اس کے کنارے پر اتر گئی اور ملکہ مچھلی کا انتظار کرنے لگی۔ کافی دیر کے بعد ستارہ پری نے دیکھا کہ ایک سبز رنگ اور سنہرے رنگ کی بڑی مچھلی پانی میں سے باہر نکل آئی اور خشکی پر لیٹ کر ہائے ہائے کرنے لگی' بس موقع اچھا تھا ستارہ پری جل ملکہ کے پاس پہنچ گئی اور کہا کہ بہن مجھے معلوم ہے تمہارے سر میں درد ہے میں پرستان سے یہ پھول لے کر آئی ہوں۔ تم اس کو کھالو انشاء اللہ ٹھیک ہو جاؤ گی بس مچھلی نے فوراً وہ پھول کھالیا' چند منٹوں میں مچھلی ٹھیک ہوگئی۔ اب سنہری مچھلی نے پری سے اس کے آنے کی وجہ پوچھی تو پری نے شروع سے آخر تک سب کچھ بتا دیا۔

ملکہ مچھلی نے کچھ دیر سوچا اس کے بعد دوبارہ دریا میں چلی گئی کچھ دیر کے بعد وہ جب باہر آئی تو مرغی اس کے اوپر بیٹھی تھی وہ مرغی اس نے ستارہ پری کے حوالے کردی۔ ستارہ پری نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مرغی کو لے کر فوراً اپنے محل میں پہنچ گئی وہاں بادشاہ اس کا انتظار کررہا تھا۔ بس اس کے بعد مرغی کو ذبح کر کے اس کے خون سے چاند پری کو نہلایا گیا۔ وہ فوراً ٹھیک ہوگئی' چاند پری ٹھیک ہونے کے بعد اپنے باپ اور اپنی بہن سے بھی زیادہ نیک اور شریف ہوگئی تھی اب وہ کسی پر ظلم نہ کرتی بلکہ غریبوں کی مدد بھی کرتی تھی اور اپنے سے بڑوں سے آداب اور تمیز سے پیش آتی تھی۔

☆☆☆

پری یا طوطا

بہت مدت کی بات ہے کسی شہر میں ایک غریب عورت رہتی تھی۔ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ اس کے خاوند کو مرے ہوئے بارہ سال گزر چکے تھے۔ بیچاری نے محنت مزدوری کر کے بیٹے کی پرورش کی۔ لیکن نہ تو وہ پڑھ سکا اور نہ کوئی دستی کام سیکھ سکا۔ غریب بیوہ اسے اگر کسی کی دکان پر بھی بٹھا دیتی تو وہ وہاں چند روز بیٹھ کر آوارہ لڑکوں کے ساتھ ادھر اُدھر بھاگ نکلتا۔ ماں دل ہی دل میں کڑھ کر رہ جاتی۔ صبح شام یہی سوچتی کہ ارشد بڑا ہو کر کیا کرے گا۔ لیکن اسے خیال تسلی نہ بخشتا۔

ارشد کے بچپن میں جو جو خیال اس نے باندھے تھے ان تمام پر پانی پھر گیا۔ وہ خدا کی بارگاہ میں ہر وقت دعا کیا کرتی کہ ارشد نیک اور ہونہار ہو جائے۔ اس کی آئندہ زندگی کا سہارا بن جائے۔ ماں کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اللہ نے اسکی سُن لی۔ وہ لیسے سنیے۔

ایک دن ارشد جبکہ لڑکوں کے ہمراہ دریا کے کنارے مچھلیوں کے شکار کے لئے گیا ہوا تھا۔ واپس لوٹتے ہوئے بازار میں آ رہا تھا۔ اچانک اس کی نظر ایک شخص پر پڑی۔ جس کے ہاتھ میں طوطے کا پنجرہ تھا۔ اور صدا دے رہا تھا کہ خرید لو خرید لو۔ اس طوطے کو خرید لو۔ ارشد اس کی صدا سنتے ہی جھپٹ کر اسکے قریب پہنچا اور کہنے لگا۔

ارشد: "جناب اس طوطے کی کیا قیمت ہے۔"

شخص: وہ ارشد کو پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھ کر بولا۔ "یہ طوطا تم جیسوں کے بس کا نہیں ہے۔"

ارشد: (غصہ میں) "جناب یہ آپ کی بھول ہے۔ ہمارا ... ہوا اس طوطے کو

خرید بھی کوئی نہیں سکے گا۔"

شخص: "تم سے اس کی قیمت ادا نہ ہو سکے گی۔"

ارشد: "میں اپنی جان دے کر بھی اسے حاصل کروں گا۔"

شخص: "تو سنو اس طوطے کی قیمت جنوں کے بادشاہ کے سر کا تاج ہے۔"

ارشد: "آپ اس تاج کی پہچان بتا دیں تاکہ میں اُسے حاصل کرسکوں۔"

شخص: (ہنس کر) "وہ تاج سات رنگ بدلتا ہے اور جس کے پاس وہ تاج ہو تمام جنات اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔"

ارشد: "جنوں کا بادشاہ کون سے ملک میں رہتا ہے۔"

شخص: "کوہ قاف میں۔"

ارشد: "اس تاج کو تم نے کہاں اور کب دیکھا ہے اور طوطے کی قیمت جنوں کے سر کا تاج کس لیے مقرر کی ہے۔"

شخص: "میں نے وہ تاج نہیں دیکھا۔ یہ قیمت طوطے نے اپنے لئے خود مقرر کی ہے۔"

ارشد: (حیران ہوکر) "طوطے نے اتنی بڑی قیمت کیوں بتائی۔"

شخص: "یہ راز میں نہیں جانتا۔"

ارشد: "اس طوطے کو آپ نے کہاں سے حاصل کیا۔"

شخص: "میں شکاری ہوں ایک دن جنگل میں شکار کھیل رہا تھا کہ یہ میرے جال میں آ پھنسا۔ جب میں نے اسے فروخت کرنا چاہا تو اس نے مجھے اس قیمت پر مجبور کر دیا کہ میں اُسے شہر شہر لئے پھرا۔ لیکن آج تک کسی نے بھی خریدنے کی جرأت کی۔ آج پہلا دن ہے جو تم نے خریدنے کا وعدہ کیا ہے۔ اس سے زیادہ میں طوطے متعلق کچھ نہیں جانتا۔"

ارشد نے تمام واقعہ سن کر شکاری سے بڑی نرمی سے التجا کی کہ وہ طوطا اسے دے دے۔ شکاری نے یہ سمجھتے ہوئے کہ نہ کوئی تاج لا سکے گا اور نہ میں اسے فروخت کرسکوں گا۔ مفت کی تکلیف کس لئے اٹھاتا پھروں۔ اس نے طوطا ارشد کے حوالے کر دیا۔

ارشد طوطا لے کر اپنے گھر آ گیا۔

رات کے بارہ بج چکے تھے۔ ارشد چارپائی پر لیٹے ہوئے طوطے کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کہ اتنے میں اس نے طوطے کو یہ کہتے ہوئے سُنا۔ "ارشد تم بہت بھولے ہو تم نہیں جانتے میں نے تمہاری خاطر اپنے آپ کو اس قید میں کیوں ڈالا۔ خدا کے لئے اٹھو اور جنوں کے بادشاہ کے سَر کا تاج حاصل کرو۔ میں تمہاری راہبری کروں گا۔"

ارشد طوطے کی گفتگو سن کر فوراً اٹھ بیٹھا اور طوطے کے قریب جا کر کہنے لگا۔

"میرے اچھے میاں مٹھو۔ بتا تو کیا چاہتا ہے۔"

طوطا: "میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم کوہ قاف چلو۔ اور جنوں کے بادشاہ کا تاج حاصل کرو۔"

ارشد: "وہ کس لئے اور کیوں۔"

طوطا: "یہ ایک عجیب وغریب راز ہے۔ جب تم تاج حاصل کر لو گے۔ تو یہ راز تمہیں خود بخود معلوم ہو جائے گا۔ ارشد خدا کے لئے دیری نہ کرو۔ اور صبح ہوتے ہی مجھے پنجرے سے آزاد کر کے مشرق کی طرف آگے بڑھتے چلو۔ خدا مددگار ہے۔ میں تمہیں ہر آنے والی مصیبت سے بچاتا رہوں گا۔ تمام رات طوطا اور ارشد اسی طرح کی باتیں کرتے رہے۔ صبح ہوتے ہی ارشد نے طوطے کو پنجرے سے باہر نکالا۔ طوطا اڑ کر باہر نکلا اور ارشد بھی طوطے کے کہنے کے مطابق مشرق کی طرف روانہ ہوا۔ زمین پر ارشد چلا جا رہا تھا اور آسمان پر طوطا اس کے ساتھ ساتھ اُڑ رہا تھا۔

تمام دن میں ارشد نے کئی کوس کا فاصلہ طے کر لیا۔ شام کے نزدیک ایک درخت کے نیچے ستانے کے لئے بیٹھ گیا۔ طوطا ارشد کے پاس آیا۔

طوطا: "دیکھو ارشد گھبرانہ جانا اگر کوئی حادثہ پیش آئے۔ دریا عبور کرنے کے بعد مصیبتوں کا آغاز شروع ہوگا۔ یہ انگوٹھی لو اسے اپنی انگلی میں پہن لو۔ اس سے تمہاری ہر رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ اور بھی کئی مشکلوں میں مدد دے گی۔ جہاں تم بیٹھے ہو اس جگہ کو کھودو۔ پھر خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔" یہ کہہ کر طوطا درخت پر جا بیٹھا۔

ارشد نے پہلے کچھ پھل کھائے اور دریا سے پانی پیا۔ پھر درخت کے نیچے والی زمین کو کھودنا شروع کیا۔ ارشد نے کوئی دو ہاتھ زمین کھودی ہوگی کہ اس نے ایک لوہے کا صندوق دیکھا اسے کھولا تو اس میں سے ایک سلیمانی تلوار نکلی۔ ارشد نے تلوار کو ہاتھ میں لیا ہی تھا کہ ایک طرف سے سفید گھوڑا نمودار ہوا اور ارشد کے قریب آ کر رک گیا۔ ارشد گھوڑے پر سوار ہوا تو وہ ہوا میں اڑنے لگا۔ وہ گھوڑا چند گھنٹوں بعد ایک غار کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ ادھر طوطے نے آواز دی کہ گھوڑے سے اتر کر غار میں داخل ہو جاؤ۔ طوطے کے کہنے پر ارشد گھوڑے سے اتر کر غار میں داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہو کر ارشد نے دیکھا کہ ہزاروں کی تعداد میں دیو جشن میں مشغول ہیں۔ ارشد جرأت کر کے آگے بڑھا۔ نعرہ لگایا خبردار ہوشیار ہو جاؤ۔ تمہاری موت تمہارے سامنے کھڑی ہے۔ دیوؤں نے جیسے ہی مڑ کر دیکھا تو تلوار کی چمک سے سب کے سب اندھے ہو گئے۔ تمام دیو شور و غوغا مچاتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگے۔ ارشد اچھل اچھل کر انہیں اپنی تلوار سے ہلاک کرتا جا رہا تھا۔ لیکن جو بھی دیو مر کر گرتا۔ زندہ ہو کر پھر لڑنے لگتا۔ ارشد نجانے ہی مار مار کر تھک گیا تھا۔ دیوؤں کی تعداد لاکھوں پر پہنچ گئی طوطے نے یہ منظر دیکھ کر ارشد کو آواز دی کہ پہلے ان کے سردار کو مار دو تب ہی یہ ختم ہوں گے۔ ارشد دیوؤں کے سردار کے پاس بجلی کی طرح پہنچا اور سلیمانی تلوار سے اس کا کام تمام

کر دیا۔ اس کا مر کر گرنا ہی تھا کہ تمام دیو وہاں سے غائب ہو گئے۔ ارشد نے خدا کا شکر ادا کیا۔ اب وہ چاہتا تھا کہ غار سے باہر نکلے۔ پھر اچانک ایک جانب سے رونے کی آواز آئی۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ مجھے چھڑاؤ، مجھے بچاؤ، ہائے ہائے میں مر گئی۔ ارشد نے آگے بڑھ کر ایک طرف دیکھا۔ ایک عورت زنجیروں میں جکڑی ہوئی۔ منہ کے بل پڑی کراہ رہی تھی۔ ایک حبشی اسے چابکیں مار مار کر کہہ رہا تھا کہ اب بھی مانے گی یا نہیں۔

ارشد نے جھپٹ کر حبشی پر وار کیا اور ایک ہی وار میں اس کی گردن تن سے جدا کر دی۔ پھر اس عورت کو زنجیروں سے آزاد کیا۔ عورت نے کہا اے خدا کے نیک بندے میں تیرا کس زبان سے شکریہ ادا کروں۔

ارشد اے عورت بتا تو کون ہے اور یہ حبشی تجھے کس لئے مار رہا تھا۔ عورت میں یہاں سے کچھ دور ایک دیہات میں رہتی ہوں۔ میں وہاں کے زمیندار کی بیٹی ہوں۔ یہ حبشی مجھ پر عاشق ہو گیا تھا اور مجھے پکڑ کر یہاں لے آیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میں اُس سے شادی کر لوں جب میں نے انکار کیا تو اس نے مجھے باندھ کر پیٹنا شروع کر دیا۔ خدا نے تجھے موقع پر پہنچا دیا۔ اگر آپ نہ آ جاتے تو یقیناً وہ میری جان لے لیتا۔ اتنا کہہ کر وہ عورت زور زور سے رونے لگی۔ ارشد اسے تسلی دے کر کہنے لگا کہ اب رو نہیں چل میں تجھے تیرے گاؤں تک پہنچائے دیتا ہوں۔ عورت نے کہا کہ اے شخص تو اتنی تکلیف نہ کر اب میں خود بخود چلی جاؤں گی۔ مگر جہاں تو نے مجھ پر اتنی مہربانی کی ہے۔ وہاں ایک اور بھی شفقت کر دے۔

ارشد بولا۔ بتا تو کیا چاہتی ہے۔ اس نے کہا۔ اگر تم اپنی انگوٹھی مجھے ایک منٹ کے لئے عنایت کر دو تو میں اسے پہنوں گی جس سے میرے جسم کے تمام زخم اچھے ہو جائیں گے۔ اور میں با آرام اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ ارشد نے انگلی سے انگوٹھی اتار

کراس کے حوالے کر دی۔ عورت انگوٹھی پا کر جلدی اٹھی اور ارشد سے تلوار چھین کر الگ جا کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے بڑے قہر و غضب کی نگاہ سے اس کی طرف دیکھا۔ ارشد زنجیروں سے جکڑا گیا۔ پھر اس عورت نے ہاتھ زمین پر مارا۔ ارشد زمین میں گڑھ کر رہ گیا۔ اسی حالت میں چھوڑ کر عورت وہاں سے غائب ہو گئی۔ طوطا ارشد کے لئے پھل وغیرہ لینے گیا ہوا تھا۔ جب واپس آیا تو ارشد کو قید میں پا کر افسوس کرتا ہوا ایک طرف اڑ گیا۔

سورج آسمان کے وسط میں آ چکا تھا۔ دھوپ کی تیزی بڑے زوروں پر تھی۔ گرمی کی شدت اس قدر تھی کہ توبہ ہی تھی۔ ارشد زمین میں گڑا ہوا بھوک پیاس سے نڈھال ہو رہا تھا۔ زبان میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جم چکیں تھیں۔ حلق خشک ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے آنسو مثل برسات کے جاری تھے۔ اپنی موت کو قریب دیکھ کر آسمان کی طرف سر اٹھا کر پکارا۔ یاالٰہی اس ناگہانی مصیبت سے رہائی دینے والا سوائے تیرے کوئی نہیں تو ہی سب کی مدد کرتا ہے۔ تیرے بغیر میں کس سے التجا کروں۔ ابھی دعا پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔

وہاں پر ایک فقیر ظاہر ہوا اور ارشد کو اس حال میں دیکھ کر اس کے نزدیک آیا۔ کلام الٰہی پڑھ کر دم کیا۔ ارشد اس قید سے آزاد ہو گیا۔ ارشد فقیر کے قدموں پر گر پڑا اور اپنی تمام سرگزشت کہہ سنائی۔ فقیر نے اسے تسلی دے کر کہا کہ بیٹا گھبراؤ نہیں۔ یہ سلیمانی منکہ لے جب اسے اپنے منہ میں رکھے گا تو دنیا کی نگاہوں سے غائب ہو جائیگا۔ اسے اپنے پاس سنبھال کر رکھو، خدا حافظ۔ مگر آئندہ بہت ہوشیاری سے کام کرنا اور کسی کے مکر و فریب میں نہ آنا۔ پھر فقیر نے ارشد کو کھانا کھلایا پانی پلایا اور ارشد کو کئی باتیں سمجھا کر غائب ہو گیا۔ ارشد نے منکے کو آزمانے کی خاطر اسے منہ میں رکھ لیا اور ایک جانب کو چل دیا سامنے سے ایک دھوبی بیل پر کپڑے لادے آ رہا تھا۔

ارشد کو شرارت جو سوجھی تو اس نے دھوبی کے پیچھے آ کر اسے ایک چپت لگائی۔ دھوبی نے سمجھا کہ یہ کسی بھوت کی کارروائی ہے۔ وہ بدحواس ہو کر بیل کو وہیں چھوڑ کر بے تحاشہ بھاگ اٹھا۔ ارشد نے اسے کئی آوازیں دیں۔ مگر اس نے پھر پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ ارشد ہنستا ہوا آگے چل دیا۔ دور پہنچ کر کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑے سے مندر کے اندر باہر چاروں طرف لوگ ہی لوگ جمع ہیں۔ معلوم کرنے سے پتا چلا کہ وہاں پر میلے کا تہوار ہے۔ مندر میں ایک بڑا سا بُت بنا ہوا تھا۔ لوگ نذرانے، جواہر، پھل پھول اور مٹھائیاں بُت کے چرنوں میں رکھ کر ماتھا ٹیکتے اور پھر ہاتھ جوڑ کر سر جھکائے منہ میں کچھ بڑبڑا کر واپس چلے جاتے۔ ارشد کو پھر شرارت سوجھی۔ بُت کے قریب جو پجاری پوجا کر رہے تھے۔ ان کی چٹکیاں لینی شروع کر دیں۔ پجاری آپس میں لڑنے لگے۔ ارشد نے ہر ایک کے پاس جا جا کر کسی کو لات ماری، کسی کو مکا رسید کیا۔ کسی کی چٹکی لے لی۔

عورتوں نے آپس میں بالوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ تمام میلے میں ایک کہرام مچ گیا۔ وہاں ایک بہت بڑا خیمہ نصب تھا۔ اس میں سے وہی عورت برآمد ہوئی۔ جس نے ارشد کو قید کر دیا تھا۔ میلے کو اس حالت میں دیکھ کر وہ عورت حیران ہو رہی تھی کہ ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ یہ آپس میں کیوں لڑ رہے ہیں۔ ارشد نے اسے دور سے دیکھ کر پہچانا۔ وہ ہوا کی مانند اس کے پاس پہنچا اور آتے ہی ایک ڈنڈا اس کے سر پر رسید کر دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گری۔ ارشد نے پہلے اس کے ہاتھ سے اپنی انگوٹھی اتاری پھر خیمے میں گھس کر تلوار پر قبضہ کیا۔ ایک کونے میں اپنے طوطے کو پنجرے میں قید پایا، اسے بھی رہا کیا۔

طوطا اور ارشد دونوں خیمے سے باہر نکلے۔ اُس بدذات عورت کو قتل کر کے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کا مرنا تھا کہ پہلے طوفان آیا۔ پھر مندر وغیرہ کا نام ونشان

مٹ گیا۔اب ارشد نے دیکھا کہ سوائے طوطے اور اپنے سفید گھوڑے کے وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ارشد نے خدا کا شکر کیا۔طوطے نے ارشد سے التجا کی کہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر کوہ قاف کا راستہ اختیار کرے۔ارشد کا گھوڑا آسمان پر اڑتا ہوا جا رہا تھا۔طوطا ارشد سے آگے رہنمائی کرتا ہوا جا رہا تھا۔دو دن کی لگاتار مسافت کے بعد وہ کوہ قاف کی سرحد پر پہنچ گیا۔جس وقت ارشد کے گھوڑے نے کوہ قاف کی زمین پر قدم رکھا تو طوطا ایک درخت پر چھپ کر بیٹھ گیا۔درخت کے سائے تلے چند سرحدی دربان دیو موجود تھے اور کچھ فاصلے پر ان کی چھاؤنی بھی تھی۔گھوڑے کو دیکھ کر دیوؤں کی باچھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔کیونکہ ارشد بوجہ منکے کے انہیں دکھائی نہیں دے رہا تھا۔دیوؤں نے آپس میں کہا کہ اس گھوڑے کو پکڑ کر اپنا کلہ گرم کرنا چاہیے۔

یہ صلاح کر کے وہ سب کے سب گھوڑے کی طرف بڑھے۔جب اس کے قریب پہنچے تو ارشد نے نیام سے تلوار کھینچ کر انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔دو تین مر کر گرے۔باقی چھاؤنی کی طرف بھاگے اور شور وغل کرنا شروع کر دیا کہ یہاں کوئی آدم زاد آ پہنچا ہے۔وہ خود تو دکھائی نہیں دیتا مگر اس کی تلوار موت کا پیغام دے رہی ہے۔ ابھی یہ اتنی ہی گفتگو کرنے پائے تھے کہ گھوڑا وہاں بھی جا پہنچا۔دیو سمجھنے بھی نہ پائے تھے کہ تلوار چلنی شروع ہو گئی۔کچھ قتل ہوئے کچھ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ اٹھے۔

ارشد نے ان کا پیچھا کیا۔طوطا بھی ارشد کے ساتھ ساتھ جا رہا تھا۔تمام دیو بھاگم بھاگ ایک کنوئیں پر آئے اور اس میں چھلانگیں لگانی شروع کر دیں۔

طوطے نے ارشد سے کہا کہ تم بھی گھوڑے سمیت کنوئیں میں کود پڑو۔ارشد بھی کود پڑا گھوڑے کے پاؤں زمین پر لگے تو ارشد نے دیکھا کہ کسی دیو کا نام ونشان نہیں ایک عالی شان باغ میں ایک خوب صورت محل بنا ہوا تھا۔اور اس کے گرد ہر قسم کے درخت اور پھول وغیرہ عجیب بہار دے رہے تھے۔طوطے کے کہنے سے ارشد

گھوڑے سے اتر کر اس محل میں داخل ہوا۔چند پری زاد دکھائی دیئے۔ارشد نے ایک پری زاد کے چٹکی لی اور دوسرے کے منہ پر تھپڑ رسید کیا۔وہ آپس میں کشتم کشتی ہونے لگے۔ارشد ان کا تماشہ دیکھتے ہوئے آگے بڑھا۔ایک بڑے سے کمرے میں پہنچا۔ وہاں ایک دیو کے پاس دو تین آدم زاد ستونوں سے بندھے ہوئے کھڑے تھے۔وہ دیو جھومتا ہوا بڑھا اور چاہا کہ خنجر سے آدمی کا گوشت کاٹے کہ اوپر سے ارشد کی تلوار پڑی۔ اس کا سر کٹ کر الگ جا پڑا۔اُس کا مرنا تھا کہ بہت سے دیو چلاتے ہوئے اندر داخل ہوئے مگر تلوار کے سوا انہیں کچھ نہیں دکھائی دیا۔تلوار نے ان پر اپنا کام کرنا شروع کر دیا۔حتیٰ کہ تمام کے تمام ڈھیر ہو گئے۔ان کے مرتے ہی باغ اور محل آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔اب ارشد نے دیکھا کہ سامنے شاہی محل نظر آ رہا ہے۔طوطے نے ارشد سے کہا کہ اب گھوڑے پر سوار ہو جاؤ اور شاہی دربار کی طرف بڑھو۔کیونکہ اس سے آگے میں ابھی نہیں جا سکتا۔بعد میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ارشد گھوڑے کو سرپٹ دوڑاتا ہوا دربار کی طرف جا پہنچا۔

دیو گھوڑے کو اس طرف آتے دیکھ کر پریشان ہو گئے اور جیسے ہی اس کو پکڑنے کے لئے آگے بڑھتے لقمہ اجل بن کر رہ جاتے۔دیو بھاگتے ہوئے دربار میں بادشاہ کے رُو برو حاضر ہوئے اور رو رو کر گھوڑے اور تلوار کا ماجرا بیان کیا۔جنات کا بادشاہ یہ واقعہ سُن کر بہت پریشان ہوا اور درباریوں کو حکم دیا کہ جاؤ جلدی سے اس کو گھوڑے کو پکڑ کر میرے سامنے پیش کرو۔بادشاہ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ گھوڑا خود دربار میں آ گیا۔

ارشد نے آواز دی کہ او مغرور بادشاہ اگر تم اپنی زندگی چاہتے ہو تو سر کا تاج اتار کر میرے حوالے کر دے۔ورنہ یہ تلوار ہو گی یا تیری گردن۔بادشاہ نے جواب دیا۔ او عجوبے تم کون ہو۔یہاں کس لئے آئے ہو اور کس کے سامنے بے ادبانہ گفتگو کر رہا

ہے۔ یہاں سے چلا جا۔ ورنہ مارا جائے گا اور چھپ کر کیا لڑتا ہے۔ اگر مرد ہے تو ظاہر ہو یہ سُن کر ارشد نے منکے کو اپنے منہ سے نکالا اور تلوار کھینچ کر بادشاہ کی طرف بڑھا دی۔

بادشاہ نے دیوؤں کو حکم دیا کہ اسے پکڑ لو یہ جانے نہ پائے۔ دیو اپنے اپنے ہتھیار سنبھال کر ارشد کی طرف لپکے۔ لیکن ارشد کی تلوار کی چمک سے وہ اندھے ہو جاتے اور کٹ کٹ کر گرتے جاتے۔ بادشاہ نے جب ارشد کی یہ جرأت دیکھی تو غیظ و غضب میں آ کر تخت سے اٹھا۔ مگر ارشد دیوؤں سے نپٹ کر بادشاہ کے تخت پر آ پہنچا اور تلوار کی نوک سے بادشاہ کے سر سے تاج اُتار کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ اب جتنے بھی بقایا دیو تھے۔ تمام کے تمام ارشد کے پاؤں پر گر پڑے۔ ارشد نے حکم دیا کہ بادشاہ کو قید کر لو۔ اتنے میں طوطا بھی آ پہنچا اور بادشاہ کے تاج کو ارشد سے لے کر اپنے بدن سے مس کیا تو وہ طوطا ایک خوب صورت پری بن گئی۔

ارشد پری کو دیکھ کر ہکا بکا ہو کر رہ گیا۔ پری نے تاج اپنے سر پر پہن لیا اور تخت پر بیٹھ گئی۔

جتنے بھی دیو تھے۔ سب اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ پری نے ارشد کو اپنے پاس بٹھایا اور کہا کہ اے نوجوان تاج کا راز یہی تھا۔ جو آج تم پر ظاہر ہوا۔ میں یہاں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ یہ دیو میرے باپ کا وزیر تھا۔ اس نے نمک حرامی سے میرے باپ کو کہیں قید کر دیا۔ اور اس کا تاج اپنے سر پر پہن کر تخت کا مالک بن بیٹھا۔ اور مجھے اس نے جادو کے زور سے طوطا بنا کر انسانوں کی دنیا میں پھینک دیا۔ میں نے تمہیں اس وقت دیکھا جب تم اس شکاری سے بات چیت کر رہے تھے۔ تمہاری جرأت پر میں تم پر عاشق ہو گئی ہوں۔ اتنا کہہ کر پری نے دیوؤں کو حکم دیا۔ "جاؤ میرے باپ کو قید خانے سے رہا کر کے باعزت لے آؤ۔" دیو گئے اور آن کی آن میں بادشاہ کو لے کر دربار میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے بیٹی کو گلے سے لگا لیا۔ پری نے ارشد کا تمام حال

بیان کیا۔ بادشاہ نے ارشد کا شکریہ ادا کیا اور اپنے وزیر کو قتل کر ڈالا اور اپنی لڑکی سے ارشد کی شادی کر کے بمعہ کوہ قاف کے تحفوں کے انسانوں کی طرف روانہ کر دیا۔ ارشد پری کو ساتھ لئے اپنی ماں سے آ کر ملا۔ اور پری کا تمام حال بیان کیا۔ پری نے وہاں پر ایک عالیشان محل بنایا۔ پری اور ارشد اور اس کی والدہ خوشی کی زندگی بسر کرنے لگے۔

☆☆☆

لال دیو کا راکٹ

احمد اور عزیز آج بہت خوش تھے۔ وہ آج چاند کی سیر کے لئے جا رہے تھے۔ وہ دونوں غریب ضرور تھے مگر انہوں نے "لال دیو" کو اپنا دوست بنا لیا تھا اور اس سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ دونوں کو کسی طرح "چاند کی سیر" کرائے۔

اُن کے اصرار پر لال دیو نے ایک چھوٹا سا "راکٹ" انہیں لا کر دیا جس میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔

راکٹ احمد اور عزیز کی جھونپڑی کے باہر میدان میں اُڑنے کے لئے تیار کھڑا تھا۔ احمد اور عزیز بہت گہرے دوست تھے اور ایک ساتھ ایک ہی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ دونوں دوست جھونپڑی سے باہر نکلے۔ لال دیو انہیں رخصت کرنے کے لئے پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ بہت رنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دونوں دوست زندہ واپس نہیں لوٹیں گے۔

جیسے ہی دونوں باہر نکلے لال دیو آگے بڑھا اور کہنے لگا "دوستو اب بھی چاند کی سیر سے باز آ جاؤ۔ تم وہاں سے زندہ لوٹ کر نہیں آ سکو گے۔"

احمد مسکرا کر بولا "ارے دیو! تم تو یوں ہی ڈر رہے ہو ہم لوگ نو یا دس مہینے میں واپس آ جائیں گے۔"

"خیر جیسے تمہاری مرضی۔ میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم میری بات مانو یا نہ مانو۔" لال دیو بولا۔

دونوں دوست چھوٹے راکٹ میں بیٹھ گئے اور راکٹ اسٹارٹ کر دیا۔ راکٹ نے ایک جھٹکے کے ساتھ زمین چھوڑی اور تیزی سے اُوپر اُٹھنا شروع کر دیا۔ انھوں نے نیچے کی طرف دیکھا تو وہاں "لال دیو" کھڑا ہاتھ ہلا ہلا کر انہیں الوداع کہہ رہا تھا۔

ان کے راکٹ میں کھانے اور پینے کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ آخر ایک دن اُن کا راکٹ چاند کے گرد چکر لگانے لگا۔ ان کے کھانے اور پانی کے ذخیرے میں اب بھی بہت کچھ باقی تھا۔ اس لئے انہیں کوئی فکر نہ ہوئی۔

انھوں نے راکٹ چاند پر اُتار لیا اور چاند کا خاص لباس پہن کر وہ چاند پر اُتر آئے۔ وہ تھوڑی دُور ہی چلے ہوں گے کہ انھیں عجیب طرز کے آدمی نظر آئے۔ ان کے ہاتھ پتلے تھے اور جسم موٹا۔ جیسے ہی دونوں نے عجیب مخلوق کو دیکھا انھوں نے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ دونوں تیزی سے بھاگ رہے تھے۔ مگر پھر بھی فاصلہ کم ہوتا چلا گیا۔

آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کہیں چھپ جائیں۔ انہیں چند پہاڑ نظر آئے انہوں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ فوراً پہاڑ میں گھس گئے۔ پہاڑوں کے بیچ ایک غار تھا دونوں نے غار میں پناہ لی۔ فوراً ہی عجیب مخلوق بھی وہاں سے گزری۔ دونوں نے سکون کا سانس لیا۔ تھوڑی دیر بعد عجیب مخلوق پھر واپس وہاں سے گزری۔ اس وقت انھوں نے دیکھا کہ عجیب مخلوق کے ہاتھ میں کوئی ہتھیار نہ تھا اور ان کے پاس شعاعی پستول تھے۔ دونوں عجیب مخلوق کے سامنے آگئے ان کے ہاتھوں میں پستول تھے۔ جیسے ہی انہوں نے پستول کا ٹائیگر دبانا چاہا اُن میں سے ایک چلا

کر اُنہی کی زبان میں بولا "نہیں، نہیں، نہیں ہمیں نہ مارنا۔"

دونوں حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس وقت انہیں معلوم ہوا کہ عجیب مخلوق اور ان کی زبان ایک ہی ہے۔ انہوں نے دوستی کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ عجیب مخلوق بھی مان گئی۔ کیونکہ ان کے پاس مقابلے کا کوئی ہتھیار نہ تھا۔

انہوں نے چاند کی سیر میں عجیب مخلوق سے بڑی مدد حاصل کی۔ انہوں نے چاند پر عجیب چیزیں دیکھیں مثلاً چاند کے پتھر، چاند کے عجیب پہاڑ، چاند کی لمبی لمبی غاریں، چاند کی گہری سُرنگیں، چاند کی عجیب جڑی بوٹیاں جن میں ایسی بھی تھیں جن کو کھاتے ہی انسان سو جائے۔ ایسی بھی تھیں جن سے کھانسی فوراً ختم ہو جائے۔ ایسی بھی تھیں جن سے بخار چلا جائے۔ غرض ہر قسم کی جڑی بوٹیاں چاند پر تھیں۔

سب سے عجیب جڑی بوٹی جو انہوں نے دیکھی وہ برف کو پگھلنے نہیں دیتی تھی۔ یعنی اُسے اگر برف کے اوپر رکھ دیا جائے یا برف میں ملا دیا جائے اور کسی قسم کے مریض کو کھلا دیا جائے تو وہ مریض فوراً صحت مند ہو جاتا ہے۔

دونوں نے مختلف قسم کی جڑی بوٹیاں ایک بڑے تھیلے میں جمع کیں اور اسے راکٹ میں رکھ دیا۔

چاند پر کھمبیاں بھی انہوں نے دیکھیں جن کو سانپ کی چھتری بھی کہا جاتا ہے۔ کچھ کھمبیاں بہت بڑی بڑی تھیں۔ اور کچھ بالکل چھوٹی چھوٹی۔ غرض انھوں نے جی بھر کر چاند کی سیر کی۔

اب انھیں اپنی زمین کی یاد آنے لگی، ویسے بھی انھوں نے لال دیو سے کہا تھا کہ وہ نو یا دس مہینے میں لوٹ آئیں گے اور اب انہیں پورا ایک سال ہونے کو آیا تھا۔ چاند پر اگر چہ دن رات کا پتا نہیں چلتا ہے۔ مگر ان کے راکٹ میں ایسی مشین لگی تھی جو دن رات کا پتا دیتی رہتی تھی۔

آخرانہوں نے عجیب مخلوق سے اجازت مانگی اور جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ عجیب مخلوق الوداع کہنے کے لئے راکٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ احمد نے راکٹ اسٹارٹ کیا۔ مگر وہ اسٹارٹ نہ ہوا۔ اس نے پوری اسپیڈ کے ساتھ راکٹ اسٹارٹ کیا۔ راکٹ اچانک اُوپر اُٹھا اور ایک چٹان کے ساتھ ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔

اُسی وقت احمد نے چیخ ماری اور اُٹھ بیٹھا۔ اُس کی چیخ کی وجہ سے عزیز بھی اُٹھ بیٹھا اور چیخ کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے اُسے اپنا خواب بتایا تو عزیز بولا:

''خواہ مخواہ میری نیند خراب کی۔''

پھر دونوں نیند کی آغوش میں چلے گئے۔

☆☆☆

ذہین

وہ ایک غریب آدمی تھا۔ ادیب تھا اور نہایت اصول پسند انسان تھا۔ مسلسل جدو جہد کرنا گویا اس کی فطرت میں شامل تھا۔ اس کی کتابیں، رسائل اور ذاتی چیزیں ہمیشہ سے بے ترتیبی سے رکھی رہتی تھیں۔ اگر کوئی انہیں ترتیب دیتا تو اسے غصہ آجاتا۔ اس نے جینی نامی ایک عورت سے شادی کی جو ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ادیب کے ہاں غربت اتنی تھی کہ وہ چیزیں گروی رکھ کر بیوی بچوں کا پیٹ پالتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ اپنی ایک کتاب لکھ رہا تھا کہ ایک آدمی اس کے پاس آیا اور کہنے لگا ''آپ کا بیٹا شدید بیمار ہے اور آپ یہاں بیٹھے لکھ رہے ہیں۔'' یہ سن کر وہ کہنے لگا ''میں ایک ایسے بیٹے کو جنم دوں گا جو نہ تو کبھی بیمار ہوگا اور نہ ہی مرے گا'' اس وقت وہ اپنی مشہور زمانہ کتاب ''دی کیپیٹل'' لکھ رہا تھا۔

معاشیات کی اس کتاب نے دنیا میں تہلکہ مچا دیا۔ اس کتاب سے لوگوں کو
ی اہلیت اور لیاقت کا پتہ چلا لیکن وہ کتاب کے شائع ہونے سے پہلے ہی مر گیا
۔ اس نے انتہائی غربت کو قبول کر لیا تھا مگر جدو جہد ترک نہیں کی اور نہ ہی
داری چھوڑی۔ حتیٰ کہ خود بھوکا مر گیا لیکن کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائے
ہ چاہتا تو بہت امیر ہو سکتا تھا کیونکہ اس کی بیوی جینی کا بھائی اس وقت منسٹر تھا
ں نے لوگوں کو سبق دیا کہ ہمیشہ جدو جہد جاری رکھیں، محنت کبھی رائیگاں نہیں
ں اور کبھی کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں۔ اپنی کتاب کے ذریعے اس نے ایک
ے معاشی نظریئے کی بنیاد رکھی جس کے لاتعداد پیروکار پیدا ہوئے اور جس نے
ے زمانے تک دنیا میں تہلکہ مچائے رکھا۔ اس باصلاحیت آدمی کا نام ''کارل
لس'' تھا۔

☆☆☆☆

ڈرپوک

ایک جنگل میں بہت سارے پرندے اور چرندے رہتے تھے۔ لیکن
اں کے رہنے والے پرندوں کا خیال تھا کہ وہ چرندوں یعنی جانوروں سے زیادہ
تر ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں چرندوں کی طرح زمین پر نہیں رکھا بلکہ انہیں
ڑانے کی طاقت بھی عطا کی ہے۔ اس کے برعکس چرندوں کا یہ خیال تھا کہ وہ
ندوں سے لاکھ درجے بہتر ہیں۔ جب ہی تو خداوند کریم نے انہیں زمین پر جانور
ایا ہے۔ صرف اسی بات پر اکثر پرندوں اور چرندوں میں تکرار ہوا کرتی تھی۔ لیکن

دونوں میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو کم تر ماننے کو تیار نہ تھا۔ ایک دن ایک پر
تالاب کے کنارے کیڑے مکوڑے کھا رہا تھا ایک چرندے نے اعتراض کر دیا۔ ایک
میری جگہ ہے تمہاری اتنی جرات کہ تم میری جگہ پر آ کر اپنے لیے شکار تلاش کرو
اپنے آپ کو ہم سے زیادہ بہتر سمجھتے ہو۔ صرف اس لیے کہ تم اڑانا جانتے ہو
حالانکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے تم سے کئی گنا زیادہ طاقت بخشی ہے۔ اگر ہم چاہیں
تمہارا زمین پر اترنا بند کر دیں۔ لیکن ہم ایسا کرنا نہیں چاہتے کیونکہ ہمارے ا
کرنے سے تم سب پرندے بھوکے مر جاؤ گے۔ پرندہ بولا بھائی اتنے ناراض کیوں
ہوتے ہو اگر تمہیں اپنی طاقت پر ناز ہے تو ہمیں بھی اپنی پرواز پر ناز ہے۔ کیا تمہیں
یاد نہیں ہے کہ ہم جیسے چھوٹے چھوٹے پرندوں نے ہاتھیوں کو میدان سے بھگا دیا
بلکہ زبردست شکست دی تھی۔

چرندہ بولا وہ اس وقت کی بات تھی۔ اب اگر تم نے ہم سے ٹکر لی تو اس
نتیجہ بہت برا ہوگا۔ پرندے نے ایک جواب دیا۔ ٹھیک ہے ہمیں ڈراؤ تو نہیں۔
ہوگا دیکھا جائے گا۔ اور پھر سے اڑ گیا۔ یہ بات چرندے کو بہت بری لگی اور
چرندوں کے سردار کے پاس گیا اور ساری بات بتائی۔ چرندوں کے سردار کو بہت
غصہ آیا۔ اس نے کہا کہ ہم پرندوں سے مقابلہ کریں گے۔ اور انہیں بتائیں گے کہ
ہم کتنے طاقت ور ہیں۔ حقیقت میں وہ پرندہ چمگادڑ تھی۔ اور چمگادڑ بہت ڈرپوک
ہوتی ہے۔ اس نے جب سردار کی بات سنی تو بہت خوفزدہ ہوئی۔ اور ایک دن وہ
چرندوں کے سردار کے پاس پہنچ گئی اور رو رو کر کہنے لگی۔

حضور میں اس جنگ سے بہت خوفزدہ ہوں آپ میری مدد کریں

ندوں کے سردار نے چمگادڑ سے کہا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا اس لیے کہ تم
یک پرندے ہو۔ اور ہم پرندوں سے نفرت کرتے ہیں۔ مکار ڈرپوک چمگادڑ نے
جواب دیا۔ حضور میں پرندہ کیسے ہوں میں تو آپ سب کی طرح دودھ پلا کر بچے کو
پالتی ہوں۔ اگر میں اڑنا جانتی ہوں تو آپ سب کو فائدہ پہنچاؤں گی۔ چرندوں
کے سردار نے جواب دیا اگر ہم تمہیں اپنے گروہ میں شامل کر لیں تو تم ہمیں کیا
فائدہ پہنچاؤ گی۔ چمگادڑ بڑے فخریہ انداز میں بولی۔

حضور میں اپنی پرواز سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پرندوں کی سازشوں
سے آپ کو آگاہ کروں گی۔ سردار نے کہا مجھے منظور ہے۔ تم جاسوسی کر کے ہمیں ہر
خطرے سے آگاہ کرنا اور ہم تمہاری حفاظت کریں گے۔ چمگادڑ بہت خوش تھی۔
اسے امید تھی کہ اب اس کی جان ہر طرح سے بچ جائے گی ابھی دو ہی دن گزرے
تھے کہ چمگادڑ کی لگائی بجھائی سے بہت پرندے اور چرندے مارے گئے۔ لیکن
دونوں گروہوں میں سے ایک بھی ہار ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ مجبوراً انہیں صلح
کرنی پڑی۔ جب دونوں گروہوں نے صلح کر لی تو یہ بات کھل گئی کہ چمگادڑ نے
صرف اپنی جان بچانے کی خاطر دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے خلاف اکسایا
تھا۔ اب دونوں گروہوں کو چمگادڑ پر بہت غصہ آیا۔

انہوں نے چمگادڑ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی۔ چمگادڑ بہت
گھبرائی اور کہا کہ میں آپ کا ہر فیصلہ ماننے کو تیار ہوں۔ صرف میری جان بخش
دیں۔ دونوں گروہوں نے چمگادڑ کا منہ کالا کر کے حکم دیا کہ ہماری نظروں کے
سامنے اگر دوبارہ آئیں گے تو ہم تمہیں جان سے مار دیں گے۔ ہمارے سامنے

رہتا ہے تو ایک ہی صورت ہے کہ تم ہم کو جب بھی نظر آؤ گی الٹے لٹکے ہی نظر آ
چمگادڑ نے یہ شرط قبول کر لی اور صرف اپنی جان بچانے کی خاطر آج تک الٹی
آتی ہے اور جب پرندے اور چرندے سو جاتے ہیں تو یہ اپنا پیٹ بھرنے کے
خوراک کی تلاش میں ماری ماری پھرتی ہے اور سویرا ہونے سے پہلے ہی صرف
جان بچانے کی خاطر الٹا لٹک جاتی ہے۔

☆......☆......☆

تین خرگوش اور ایک بھیڑیا

کسی جنگل میں تین خرگوش چنٹو، منٹو اور پپو رہتے تھے۔
خرگوش اپنی ماں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی گزار رہے تھے۔ جب تینوں خر
بڑے ہو گئے تو ایک دن ان کی ماں نے انہیں کہا ''تم تینوں بڑے ہو گئے ہ
اب اپنی دیکھ بھال بھی کر سکتے ہو، اس لئے تم تینوں اپنے اپنے گھر بناؤ لیکن
بات کا خیال رکھنا کہ بھیڑیا تمہیں پکڑ کر کھا نہ جائے۔ تینوں خرگوش گھر سے
پڑے، تھوڑی دور جا کر انہیں بی ہرن ملی جس سے کچھ گھاس مانگی تا کہ اپنا
بنا لے۔ چنٹو نے گھاس سے ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور کہا کہ ''اب بھیڑیا مجھے
نہیں سکے گا۔'' باقی دونوں خرگوش منٹو اور پپو پھر اپنی راہ ہو لئے۔ تھوڑی ہی
جا کر انہیں ماما بندر مل گئے۔ ماما بندر لکڑیاں لے جا رہے تھے۔ منٹو نے ماما
سے کچھ لکڑیاں مانگیں تا کہ وہ بھی اپنا ایک چھوٹا سا گھر بنا سکے۔ ماما بندر نے
لکڑیاں دے دیں۔ منٹو نے لکڑیوں سے اپنا ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور کہ
''اب بھیڑیا مجھے پکڑ نہیں پائے گا۔'' آخر کو پپو اپنے راستے پر چل پڑا۔ کھ

کے قریب پپو کو بھالو چاچا ملے جس سے اینٹیں مانگیں تا کہ اپنا چھوٹا سا گھر بنا لیا
اور کہا کہ ''اب بھیڑیا مجھے پکڑ نہیں سکے گا۔'' ایک دن بھیڑیا چنٹو کے گھاس سے
بنے ہوئے گھر گیا اور چنٹو سے کہا کہ ''چنٹو میاں دروازہ کھولو میں تم سے ملنے آیا
ہوں۔'' چنٹو نے جواب دیا کہ ''تم مجھے کھا جاؤ گے اس لئے میں دروازہ نہیں
کھولوں گا۔'' بھیڑیئے نے ایک زوردار پھونک ماری اور چنٹو کا گھاس سے بنا
ہوا گھر بکھر گیا۔ بھیڑیا چنٹو کو کھا گیا۔

دوسرے دن بھیڑیا منٹو کے لکڑیوں سے بنے ہوئے گھر گیا اور کہا کہ
''منٹو میاں دروازہ کھولو، میں تم سے ملنے آیا ہوں۔'' منٹو نے کہا کہ ''میں
دروازہ نہیں کھولوں گا کیونکہ تم مجھے کھا جاؤ گے۔'' بھیڑیئے نے ایک زوردار
پھونک ماری اور منٹو کا لکڑیوں سے بنا ہوا گھر ٹوٹ گیا۔ بھیڑیا منٹو کو بھی کھا گیا۔
تیسرے دن بھیڑیا پپو کے گھر پہنچ گیا اور پپو سے کہا کہ ''پپو میاں دروازہ کھولو
میں تم سے ملنے آیا ہوں۔'' پپو نے کہا کہ ''میں دروازہ نہیں کھولوں گا کیونکہ تم
مجھے کھا جاؤ گے۔'' بھیڑیئے نے زوردار پھونک ماری چونکہ پپو کا گھر اینٹوں
سے بنا ہوا تھا اس لئے نہیں ٹوٹا۔ بھیڑیئے نے ایک چال چلی اور پپو سے کہا کہ
''کل صبح سات بجے تیار رہنا ہم کسان کے کھیت سے تازہ گاجریں توڑنے
جائیں گے۔'' کیونکہ پپو کو گاجریں بہت پسند تھیں اس لئے پپو نے فوراً ہامی بھر
لی۔ دوسرے دن پپو صبح چھ بجے ہی کھیت سے گاجریں توڑ لایا کیونکہ پپو جانتا تھا
کہ اصل میں بھیڑیا اسے کھانا چاہتا ہے۔ جب بھیڑیا صبح سات بجے کھیت میں
پہنچا تو پپو کو نہ پا کر پپو کی چالاکی سمجھ گیا، لیکن اس نے ہمت نہ ہاری اور پپو کے
پاس جا کر اسے کہنے لگا کہ کل شام پانچ بجے تیار رہنا ہم باغ سے میٹھے میٹھے سیب
توڑنے جائیں گے۔ پپو کو اصل بات تو پہلے ہی معلوم تھی لیکن پھر بھی پپو نے ہامی

بھرلی۔ دوسرے دن پپو شام کو چار بجے ہی باغ کی طرف چل پڑا اور درخت چڑھ کر سیب توڑنے لگا۔

ابھی اس نے کچھ ہی سیب توڑے تھے کہ بھیڑیا آ پہنچا۔ پپو پہلے تو ڈ گیا پھر پپو نے بھیڑیے کو سیب مارنے شروع کر دیے۔ پپو نے اچانک درخت سے چھلانگ لگا لی اور دوڑتا ہوا گھر پہنچ گیا۔ بھیڑیا بھی پپو کے پیچھے اس کے گ پہنچ گیا۔ بھیڑیا دوبارہ پپو کے ہاتھ سے نکل جانے پر سخت غصے میں تھا۔ اس ۔ پپو سے کہا کہ ''اگر تم دروازہ نہیں کھولو گے تو میں تمہارے گھر کی چھت پر چڑھ چمنی کے ذریعے اندر آ جاؤں گا اور تمہیں کھا جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر بھیڑیا چھت چڑھنے لگا۔ پپو یہ دیکھ کر پہلے تو پریشان ہو گیا پھر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ پپو نے چمنی کے نیچے آگ جلائی اور اس پر ایک بڑی سی دیگ رکھی جے اس نے پانی سے بھر دیا۔ کچھ ہی دیر بعد پانی ابلنے لگا۔ پپو بھیڑیے کا انتظا کرنے لگا۔ جیسے ہی بھیڑیے نے چمنی میں چھلانگ لگائی، وہ نیچے آتے ہی ابل ہوئے پانی کی دیگ میں گر پڑا اور اس طرح بھیڑیا مر گیا اور پپو کی جان بچ گئی۔

اسی لئے کہتے ہیں کہ مشکلات سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ ہم اگر ذر سی ہوشیاری سے کام لیں تو ہر قسم کے مسائل کا بہادری سے مقابلہ کر سکتے ہیں۔

✿☆......☆......☆✿
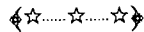
شبنم کا تاج

ایک بادشاہ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی، وہ بہت ضدی تھی۔ ایک روز ص کے وقت وہ ٹہلنے کیلئے باغ میں گئی تو اس نے پھولوں پر شبنم کے قطرے چمکتے ہوئے دیکھے۔ شبنم کے یہ قطرے ان ہیروں سے زیادہ چمکدار اور خوبصورت تھے جو شہزادی

کے پاس تھے۔ شہزادی سیدھی محل میں واپس آئی اور بادشاہ سے کہنے لگی۔ ''مجھے شبنم کا ایک تاج بنوانا ہے۔ جب تک مجھے تاج نہیں ملے گا میں نہ کھانا کھاؤں گی نہ پیوں گی۔'' یہ کہہ کر شہزادی نے اپنا کمرہ بند کر لیا اور چادر اوڑھ کر پلنگ پر لیٹ گئی۔ بادشاہ جانتا تھا کہ شبنم کے قطروں سے تاج نہیں بنوایا جا سکتا، پھر بھی اس نے شہزادی کی ضد پوری کرنے کیلئے شہر کے تمام سناروں کو بلا بھیجا اور ان سے کہا کہ تین دن کے اندر اندر شبنم کے قطروں کا تاج بنا کر پیش کرو ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

بیچارے سنار حیران و پریشان تھے کہ شبنم کا تاج کس طرح بنائیں۔ ان سناروں میں سے ایک بوڑھا سنار بہت عقلمند تھا۔ سوچتے سوچتے اس کے دماغ میں ایک ترکیب آئی۔ وہ دوسرے دن صبح کو محل کے دروازے پر گیا اور سپاہیوں سے کہا کہ وہ شہزادی کا تاج بنانے آیا ہے۔ سپاہی اسے شہزادی کے پاس لے گئے۔

بوڑھے سنار نے شہزادی کو جھک کر سلام کیا اور بولا ''میں آپ کا تاج بنانے کیلئے آیا ہوں لیکن میری ایک چھوٹی سی درخواست ہے۔'' ''کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟'' شہزادی نے کہا۔ سنار بولا ''آپ باغ میں چل کر مجھے شبنم کے قطرے دے دیجئے جن کا آپ تاج بنوانا چاہتی ہیں، جو قطرے آپ مجھے پسند کر کے دیں گی میں فوراً ان کا تاج بنا دوں گا۔'' شہزادی سنار کے ساتھ باغ میں گئی۔ پھولوں اور پتوں پر شبنم کے قطرے جگمگا رہے تھے، لیکن شہزادی نے جس قطرے کو بھی چھوا وہ اس کی انگلیوں پر پانی کی طرح بہہ گیا۔

تب شہزادی کو بھی یقین ہو گیا کہ شبنم کے قطروں کا تاج نہیں بن سکتا۔ شہزادی نے کھسیانی ہو کر بوڑھے سنار سے معافی مانگی اور عہد کیا کہ وہ اب کبھی بھی ایسی ضد نہیں کرے گی۔

✿☆......☆......☆✿

عقل مند وزیر

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ملک ایران پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بے حد رحمدل، عادل اور انصاف کرنے والا بادشاہ تھا۔ بادشاہ کا ایک وزیر بھی تھا۔ اس کا نام عدیل تھا۔ وہ بھی بادشاہ کی طرح رحمدل تھا۔ بادشاہ کی چونکہ کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا وہ اپنی سلطنت عدیل کے حوالے کرنا چاہتا تھا، مگر درباری عدیل سے حسد کرتے تھے۔ انہوں نے رعایا کو بھی عدیل سے بدظن کر دیا تھا۔ بادشاہ یہ حالات دیکھ کر بے حد پریشان تھا۔ وزیر سے بادشاہ کی یہ حالت نہ دیکھی گئی۔ لہٰذا اس نے ایک دن بادشاہ سے کہا "بادشاہ سلامت آپ ملک بھر کے نوجوانوں کو اکٹھا کریں، جو قابل اور ذہین ہو اسے ہی بادشاہت سونپی جائے۔" بادشاہ کو وزیر کی یہ بات پسند آئی اور اس نے ملک بھر میں مقابلے کی تاریخ کی منادی کروادی۔

جس دن مقابلہ تھا، اس دن صبح ہی صبح گہما گہمی ہوگئی۔ بادشاہ سلامت تخت پر بیٹھے تھے۔ ساتھ ملکہ بیٹھی تھیں اور آس پاس درباری کھڑے تھے۔ دربار میں سینکڑوں نوجوان تھے۔ ایک بوڑھا سا آدمی بھی تھا، جسے نوجوانوں کا امتحان لینا تھا۔ آخر بوڑھا بولا۔ "میرا پہلا سوال یہ ہے کہ جب ہم دروازے کو کھولتے یا بند کرتے ہیں تو اس سے آواز کیوں آتی ہے؟" یہ سوال سن کر دربار میں سناٹا چھا گیا۔ کسی نے کچھ کہا اور نے کچھ، پھر اچانک ایک شخص دربار میں آیا۔ اس کی آنکھوں میں ذہانت تھی۔ اس نے بلند آواز میں کہا۔ "دراصل دروازے میں سے آواز اس وجہ سے آتی ہے کہ دروازہ رہا ہوتا ہے کہ "کون ہے؟" یہ جواب سن کر سب درباری، بوڑھا اور بادشاہ عش عش اٹھے۔ بوڑھا اس شخص کی طرف متوجہ ہوا پھر بولا "تم سے میرا سوال ہے کہ ز درمیانی حصہ کون سا ہے؟" یہ سن کر وہ شخص بولا "جہاں میں کھڑا ہوں یہی درمیانہ

ہے۔" اگر نہیں ہے تو ثابت کرو۔

بوڑھا پھر بولا "تمہارے سر پر کتنے بال ہیں؟" وہ شخص بولا "تین کروڑ بیس لاکھ چار ہزار تین سو چالیس نہیں یقین تو گن لو۔" یہ سن کر بوڑھا لاجواب ہوگیا اور بادشاہ سے بولا۔ "بادشاہ سلامت یہ شخص ہی بادشاہت کے لائق ہے۔ اس جیسا ذہین آپ کو ایران میں نہیں ملے گا۔" بادشاہ بھی اس شخص سے بے حد خوش تھا، وہ اس شخص کو مخاطب کر کے بولا۔ "نوجوان تمہارا نام کیا ہے؟" وہ شخص بولا۔ "بادشاہ سلامت! میرا نام عدیل ہے۔" یہ کہہ کر اس شخص نے اپنی نقلی مونچھیں اور ماسک ہٹالیا۔ یہ دیکھ کر تمام درباریوں کو سانپ سونگھ گیا۔ رعایا پھر سے وزیر سے محبت کرنے لگی اور بادشاہ کی وفات کے بعد اسے بادشاہ تسلیم کرلیا۔

☆......☆......☆
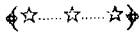
شاہ و گدا

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک ملک کے ایک حصے میں گھنے درختوں، لمبی اور ہری بھری گھاس اور جنگلی پودوں سے بھرا ایک جنگل تھا، اور اسی جنگل میں ایک بوڑھا شخص احمر اپنی چھوٹی سی جھونپڑی میں اپنے بیٹے صائم کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر رہا تھا۔ یہ شخص غربت اور افلاس کے گھیرے میں تھا مگر تقویٰ اور پرہیزگاری پر پورا اترتا تھا۔ غربت کے باوجود خدا سے کچھ نہ مانگتا تھا۔ ایک دن ایک آدمی زخمی حالت میں اس شخص کے پاس پہنچا۔ اس وقت احمر جنگل میں کسی کام سے گیا ہوا تھا جبکہ صائم جھونپڑی کے پیچھے بیٹھا تھا۔ اس زخمی آدمی نے پہلے باہر سے آواز دی۔ "آہ! ارے کوئی ہے، میری مدد کرو۔" اس آدمی نے دوسری مرتبہ پھر آواز دی اور اتنے میں صائم آواز کا تعاقب کرتے ہوئے جھونپڑی کی دوسری جانب پہنچ گیا۔ صائم نے دیکھا کہ

ایک زخمی آدمی زمین پر جھونپڑی کے قریب بیٹھا کراہ رہا ہے اور مدد کے لئے پکار رہا ہے۔ اس کے بازو پر گہرا زخم تھا جس کے خون سے اس کے تمام کپڑے خون میں لت پت تھے۔ صائم نے اس کو سہارا دیتے ہوئے کھڑا کیا اور پھر اس کو لے کر جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ صائم نے زخمی آدمی کو چارپائی پر بٹھا دیا اور اس کے بازو کی مرہم پٹی کی۔ زخمی آدمی صائم کے پٹی کرنے تک سو گیا تھا، شاید تھکاوٹ نے اس کو گہری نیند سلا دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد احمر گھر آیا تو اس آدمی کو چارپائی پر لیٹا دیکھ کر حیران ہو گیا۔

احمر نے صائم سے پوچھا۔

''صائم کون ہے۔ یہ خدا کا بندہ اور یہ یہاں کیسے؟''

بابا مجھے نہیں معلوم کہ یہ کون ہیں لیکن یہ مجھے جھونپڑی سے باہر کراہتے ہوئے اور مدد کے لئے پکارتے ہوئے ملے تھے۔ معلوم نہیں کہاں سے آئے اور کون ہیں۔ مجھ سے ان کا زخم دیکھا نہیں گیا اور فوراً اندر لا کر لٹا دیا اور میرے مرہم پٹی کرنے تک یہ بابا سو گئے۔ میں نے ان سے نہیں پوچھا کہ یہ کون ہیں۔ میں نے سوچا کہ انہیں تکلیف ہوگی، اس لئے جگا کر نہیں پوچھا۔'' صائم نے جواب دیا۔

''اچھا کیا تم نے، اچھا جب یہ جاگیں تو پوچھ لینا۔'' احمر نے کہا۔

کچھ دیر بعد وہ آدمی نیند سے بیدار ہو گیا۔ ''آہ! میں کہاں ہوں؟'' زخمی آدمی بیٹھنے لگا تو درد کی وجہ سے کراہ کر دوبارہ لیٹ گیا۔

''آپ زخمی ہو گئے تھے اور مجھے یہاں باہر ملے۔ میں آپ کو اندر لایا اور لٹا دیا اور آپ سو گئے۔ میں صائم ہوں اور یہ بابا ہیں۔'' صائم نے زخمی آدمی کو بتایا۔ ''آپ بتائیں کیا ہوا تھا، آپ کیسے زخمی ہوئے تھے۔'' احمر نے پوچھا۔ ''ہاں! میں زخمی ہو گیا تھا۔ میں یہاں شکار کرنے آیا تھا مگر جس کو شکار بنانا چاہتا تھا اس نے مجھے شکار بنا لیا

یعنی مجھے نقصان پہنچا دیا۔ ابھی بھی درد ہو رہا ہے۔ آہ! میرا نام اسلام ہے اور آپ لوگوں کا بہت شکریہ''۔ اسلام نے کہا۔

''ارے شکریہ کی کیا بات ہے۔ یہ تو ہمارا فرض ہے اور صائم بیٹے نے اس فرض کو پورا کیا ہے۔'' احمر نے کہا۔

''اچھا میں اب چلتا ہوں۔'' ''اسلام نے کہا نہیں، ابھی آپ بیٹھیں، کچھ کھا کر ہی جایئے گا۔ بے شک ہم غربت کے ہاتھوں مجبور ہیں لیکن مہمان نوازی کرنا ہمارا فرض ہے اور فرض کو نبھانا ہمیں اچھی طرح آتا ہے۔'' احمر نے اسلام سے مخاطب ہو کر کہا۔

کھانا کھانے کے بعد تینوں باتوں میں مصروف ہو گئے۔ ''بے شک ہمارے ملک کا بادشاہ عظیم سلطنت، جاہ و جلال اور شان و شوکت کا مالک ہے۔ اس کے علاوہ وہ رحم و انصاف، خدا ترسی، نیک اور پرہیزگاری جیسی بہت سی صفات کا مالک ہے لیکن معلوم نہیں مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کے اندر ایک بڑی خامی جس کو نہیں ہونا چاہئے...... کیونکہ ایک خرابی بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے۔'' اسلام نے کہا۔

''مگر ایسی کون سی بات ہے جو بادشاہ کے پاس موجود نہیں۔'' صائم نے پوچھا۔ ''اگر آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو خود جا کر اندازہ لگا لیں۔'' اسلام نے کہا۔

کچھ دیر بعد اسلام چلا گیا۔

کچھ دن سوچنے کے بعد صائم نے بابا سے محل جانے کی اجازت لی تو احمر نے سختی سے منع کر دیا مگر صائم کی ضد کی وجہ سے احمر راضی ہو گیا اور صائم کو ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ بھیجا۔

صائم اپنا حلیہ فقیر جیسا بنا کر بادشاہ کے محل کے پاس پہنچا اور باہر سے آواز دی ''کوئی خدا کا بندہ ہے جو مجھ غریب کو پانی پلائے، میں تین دن سے بھوکا پیاسا

ہوں۔ معلوم ہے کہ اس دنیا میں کوئی کسی کا نہیں مگر کوئی ایک گھونٹ پانی تو پلا سکتا ہے۔" صائم یعنی فقیر کی یہ درد بھری آواز سن کر بادشاہ نے درباری کو حکم دیا کہ وہ بادشاہ کی نظروں کے سامنے فقیر کو پیش کریں۔ درباریوں نے اسی وقت بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کو بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ صائم بادشاہ کے سامنے اس کے قدموں میں فرش پر بچھی خوبصورت قالین پر بیٹھ گیا اور بادشاہ کے پوچھنے پر کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ اس نے کچھ گھونٹ پانی کے طلب کیے۔ بادشاہ نے فقیر کو کھانا اور پانی دیا۔ صائم نے کھانا کھا کر اور پانی پی کر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ "آپ بڑے دل کے مالک ہیں، اللہ آپ کو بہت خوش رکھے، جو دوسروں کی مدد کرتا ہے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔" کچھ دیر ٹھہر کر فقیر نے بادشاہ سے پوچھا۔ "بادشاہ سلامت! اگر آپ کے سامنے تین سیب موجود ہوں اور ان میں سے ایک سیب تازہ دوسرا خراب اور تیسرا بہت خراب ہو اور آپ کے پاس تین بچے موجود ہوں جو سیب کے طالب ہوں تو آپ کیا کریں گے؟"

"انصاف اور عدل ایسی چیز ہے جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے۔ میں تازہ سیب کے تین حصے کر کے ان تین بچوں میں تقسیم کر دوں گا۔ پہلے اپنے دائیں جانب بیٹھنے والے سب سے چھوٹے بچے کو، پھر اس سے بڑے اور پھر اس سے بڑے کو" بادشاہ نے جواب دیا"

......اور اگر ایک بچہ موجود ہو اور یہی تین سیب ہوں یعنی ایک تازہ، دوسرا خراب اور تیسرا بالکل ہی خراب اور آپ کا اپنا تازہ سیب کھانے کا دل چاہے تو کیا کریں گے؟" "میں تازہ والا بچے کو دوں گا" بادشاہ نے فقیر کے سوال کا جواب دیا۔ "بہت خوب بادشاہ سلامت، اللہ کرے آپ عدل کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑیں، آپ کی رعایا آپ سے خوش رہے بادشاہ سلامت۔ میں آپ کو ایک کہانی سناتا ہوں، اگر آپ

اجازت دیں تو میں کہانی سناؤں۔" صائم نے بادشاہ سے اجازت مانگی۔ "جی بابا! کیوں نہیں سنایئے" بادشاہ نے فقیر کو اجازت دے دی۔ بادشاہ سلامت غور سے سنیئے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تین دوست تھے۔ وہ مشکل وقت میں ایک دوسرے کے کام آتے تھے اور خوشی میں بھی دوستی خوب نبھاتے، غرض یہ کہ غم اور خوشی میں یعنی زندگی کے ہر موڑ پر ایک دوسرے کی مدد کرتے تھے۔ ایک مرتبہ دو دوستوں نے شکار کرنے کی ٹھان لی مگر نیسرا دوست اس بات پر رضا مند نہ ہوا۔ آخر کار ان دونوں کی منت سماجت پر وہ جنگل کیلئے تیار ہو گیا لیکن شکار کے لئے نہیں۔ جب وہ جنگل کیلئے جانے لگے تو ان دو میں ے ایک دوست نے تیسرے دوست کیلئے شکار کا سامان اپنے ساتھ رکھ لیا اور تیسرے وست کو دینے لگا تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ بالآخر اس کے اصرار پر تیسرے وست نے یہ سوچ لیا کہ وہ شکار کرے گا مگر اپنے اس خیال کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ اب نگل میں تینوں دوست ایک ہی راستے سے داخل ہو گئے۔ کافی دیر بعد انہیں ایک انور نظر آیا مگر تیسرے دوست نے کہا۔ "میں وہ ہوں جو تم نہیں ہو، اس لئے میں اس نور کو شکار نہیں کر سکتا۔ ہاں اگر تم چاہو تو اپنے لئے اس کو شکار بنالو۔" دونوں دوستوں واس کی بات سمجھ میں آ گئی اور انہوں نے اپنے لئے اس کو شکار کر لیا اور اس کو گھر لے ئے۔ تیسرے دوست نے نہ ہی شکار کیا اور نہ ہی شکار گھر لایا۔ بادشاہ سلامت، آپ ے بتایئے کہ جیسا کہ میں نے بتایا کہ تینوں میں سے ایک نے نہ شکار کیا، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا تھا؟ بے شک میں نے آپ کو اپنی زبان سے بتایا ں کہ اس کا مذہب کیا تھا لیکن کسی نہ کسی طرح سے اظہار ضروری کیا ہے۔" فقیر نے انی سنانے کے بعد سوال کیا۔

"پہلے دو دوست غیر مسلم تھے اور تیسرا مسلمان تھا اور وہ مذہب "اسلام" پر ن لاتا تھا۔" بادشاہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا۔ فقیر نے ایک اور سوال کیا۔ "ٹھیک

ہے، مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تیسرے دوست نے جانور ملنے کے باوجود شکار کیوں نہ کیا اور وہ شکار کرنے کیلئے جنگل جانے پر آمادہ کیوں نہ ہوا؟''

''بابا ایک سچا مسلمان کسی جانور کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا اور اسی لئے اس کیلئے جانے پر رضامندی ظاہر نہ کی مگر دوستوں کے کہنے پر جب وہ اس خیال کے ساتھ کہ وہ شکار نہیں کرے گا، جنگل کی طرف اپنے دونوں دوستوں کے ہمراہ چل پڑا تو اس کے دوستوں کو ایک ایسا جانور ملا جس کا گوشت اس کیلئے حرام تھا اور یقیناً میں اس کا نام اپنی زبان سے لینا نہیں چاہتا اور نہ ہی اس کو دیکھنا پسند کروں گا۔ اسی لئے تیسرے دوست نے اس جانور کو شکار نہیں کیا۔'' بادشاہ نے فقیر کے جواب کا اطمینان سے جواب دیا۔

''بہت خوب! آپ نے بالکل صحیح جواب دیئے، بے شک آپ کی فہم و فراست میں کوئی آپ کا ثانی نہیں۔'' فقیر نے بادشاہ کی تعریف کی۔ فقیر نے بادشاہ سے جانے کی اجازت مانگی اور وہاں سے چلا گیا اور کہا کہ وہ تین دن بعد دوبارہ آئے گا۔ بادشاہ، فقیر سے بہت متاثر ہوا کہ وہ بہت عقل مند اور دانا ہے۔

تین دن بعد جب فقیر نہ آیا تو بادشاہ کو سخت غصہ آیا۔ آٹھ دن بعد فقیر جیسے ہی بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو بادشاہ اس کو ڈانٹنے لگا۔ صائم نے اطمینان سے کہا۔

''معاف کیجئے گا بادشاہ سلامت، میری بیوی فاقوں سے مرگئی۔ ہمارے گھر میں کھانے کو پانچ دنوں سے کچھ نہ تھا۔ میں نے آپ سے ملنے کی کوشش کی تو مجھے اس غرض سے واپس بھیج دیا گیا کہ آپ اس وقت سو رہے تھے اور وہ آپ کے آرام کا وقت تھا۔''

کیا ہماری رعایا میں ایک گھرانا پریشان رہا اور ہمیں خبر تک نہ ہوئی، ہم معذرت چاہتے ہیں۔ ہم سے بہت بڑی غلطی سرزد ہوئی ہے۔'' بادشاہ نے فقیر سے کہا

''بادشاہ سلامت یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ کس بات کی معذرت کر رہے

ہیں جو قسمت میں لکھا تھا وہ ہو گیا ہمیں اپنے مستقبل کی فکر کرنی چاہیئے اور مرنے والوں کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ انسان غلطیوں کا پتلا ہے۔ اس سے زندگی میں کئی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں۔ جن کا کفارہ ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ لیکن میں یہ ہرگز پسند نہیں کروں کہ آپ مجھ سے معذرت کریں۔ میں چلتا ہوں فقیر اتنا کہہ کر دربار سے چلا گیا۔ بادشاہ کو خود پر بہت غصہ آیا۔ ایک دن بادشاہ شکار کے لیے جنگل میں نکلا۔ اس روز صائم فقیر کا روپ دھارے ایک درخت کے نیچے بیٹھا گھاس اور تنکوں سے کچھ بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔ بادشاہ شکار کی تلاش میں فقیر کے پاس ادھر ادھر پھرتا ہوا ملا۔ بادشاہ نے فقیر سے پوچھا کہ وہ کیا کر رہا تھا۔ تو اس نے جواب دیا۔ بادشاہ سلامت میں تو ویسے ہی گھاس اور تنکوں سے کھیل رہا تھا۔ ان کی بڑی اہمیت ہوتی ہے ہماری زندگی میں نہ گھاس ہوتی نہ جانور ہوتے یہ جنگل نہ ہوتا اور پھر ہم بھی نہ ہوتے۔ بادشاہ نے فقیروں کی تعریف کی کہ وہ باتیں بڑی اچھی کرتا ہے فقیر نے بادشاہ سے کہا کہ وہ یقیناً پیاسے ہوں گے۔ اور وہ اس کے ساتھ چلیں اس کے گھر کے پاس ایک کنواں ہے وہاں سے وہ بادشاہ کو پانی پلا دے گا اور وہ خود بھی وہیں سے پیتا ہے۔ بادشاہ نے انکار کیا۔ نہیں بابا ہم پیاسے ہیں لیکن محل جا کر پانی پئیں گے۔

لیکن آپ کو واپس جاتے ہوئے دیر ہو جائے گی اور پھر جیسے ہی پیاس لگے۔ پانی پی لینا چاہیے۔ زیادہ دیر تک اپنے آپ کو پیاسا نہیں رکھنا چاہیے۔ فقیر نے کہا لیکن بادشاہ نے پھر انکار کر دیا۔

واہ بادشاہ سلامت آپ ہم سے بڑے ہیں لیکن حاکم ہو کر بھی ہم کو پہچان نہ سکے آپ بادشاہ کا مرتبہ حاصل کر کے بھی رحم دل ہیں۔ آپ وہ شخص ہیں جیسا کوئی بادشاہ حاکم اور کوئی سلطان نہیں ہو سکتا۔ ہم غریبوں کے سلام تک کا جواب دیتے ہیں۔ ہم غریبوں سے اچھی طرح پیش آتے ہیں اور اپنی رعایا کے لیے اچھی چیزوں کا انتخاب

کرتے ہیں اپنی رعایا کو ہر دل عزیز رکھتے ہیں اور غم اور خوشی میں رعایا کا ساتھ دیـ
ہیں۔ہم پر اپنی شفقت ومحبت کے پھول برساتے ہیں ہم پر غصہ نہیں ہوتے مگر ہماری
بات مانتے ہیں۔لیکن اس کے باوجود اور اتنی خوبیوں کے باوجود جن کا بیان میں ایک
ہی لمحے میں نہیں کر سکتا ہمارے گھر سے پانی نہیں پی سکتے صرف اس لیے کہ آپ کی رعا
وہیں سے پیتی ہے، اسی کنوئیں میں ڈول ڈال کر ہم پانی پی لیتے ہیں لیکن آپ وہاں
سے پیاس نہیں بجھا سکتے۔آپ بادشاہ اور رعایا میں فرق رکھتے ہیں آپ کو شاید انداز
نہیں لیکن میں جان گیا ہوں۔اگر یہ فرق نہ ہوتا تو آپ اس کنوئیں سے پانی پی لیتے۔
یہی وہ پانی ہے جو آپ کے محل میں موجود ہے۔بس فرق صرف اتنا ہے کہ وہ جگہ
بادشاہوں کی ہے اور یہ رعایا کی۔کچھ دن پہلے مجھے ایک آدمی نے اس بات سے آگاہ کر
لیکن صحیح طریقے سے مجھ پر واضح نہ کیا۔اس وقت میں نے یہ ٹھان لی کہ بادشاہ سلامت
کی اس خامی کا ضرور پتا چلاؤں گا اور اس کو دور کروں گا معاف کیجیے گا بادشاہ سلامت
میں فقیر کا روپ دھار کر آپ کے پاس آیا تھا کہ آپ کی اس خامی کو دور کروں گا مگر مجھ
سے صبر نہ ہو سکا اور میں نے سب کچھ کہہ دیا جو میرے دل میں تھا۔میں فقیر نہیں ایک
عام لڑکا ہوں میرا نام صائم ہے۔آپ مجھے جو چاہیں سزا دیں میں آپ کے نزدیک
سزا کا مستحق ہوں۔صائم نے اپنا اصل روپ بادشاہ پر واضح کر دیا۔بادشاہ سلامت
بہت شرمندہ ہوئے اور انہوں نے صائم کو معاف کر دیا۔بادشاہ سلامت نے صائم کے
پاس سے پانی پیا اور احمر سے ملاقات کی۔بادشاہ سلامت نے صائم کی فہم وفراست کی
بنا پر صائم کو اپنا وزیر خاص بنالیا۔

☆......☆......☆

انجام

احمد پڑھنے لکھنے میں بہت اچھا تھا۔وہ بڑوں کا ادب بھی کرتا تھا۔اور
سب سے بڑی بات یہ کہ وہ ہر کام اپنے وقت پر کرتا تھا۔اس کا سب سے اچھا اور
بہترین دوست وقار تھا وہ دونوں سکول بھی ساتھ جاتے تھے۔اور بعض اوقات جب
امتحان ہوتے تو ساتھ بیٹھ کر پڑھتے بھی تھے۔احمد ہمیشہ کلاس میں اول پوزیشن حاصل
کرتا تھا جبکہ وقار دوم پوزیشن حاصل کرتا تھا۔ایک دن جب وقار احمد کے گھر گیا تو وہ
بہت خوش تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے پرویز چچا دبئی سے آئے تھے اور اس کے لیے نیا
کمپیوٹر اور بہت سی گیمز بھی لائے تھے۔وقار احمد کو اپنے ساتھ روم میں لے گیا۔جہاں
اس کا نیا کمپیوٹر رکھا ہوا تھا وقار نے کمپیوٹر پر گیم اسٹارٹ کی اور احمد کو اپنے ساتھ بٹھالیا۔
احمد نے وقار کے ساتھ
مل کر کمپیوٹر گیمز کھیلیں اب تو اسے بڑا ہی مزا آیا۔اس نے اپنے پاپا سے فرمائش کی کہ
اسے نیا کمپیوٹر اور گیمز لا کر دیں اس کے پاپا نے اس کی فرمائش پوری کر دی اب وہ گھنٹہ
گھنٹہ بھر کمپیوٹر کے سامنے بیٹھا گیمز کھیلتا رہتا تھا۔جس کی وجہ سے اس کی پڑھائی بھی
متاثر ہونے لگی اور صحت بھی خراب ہوگئی۔کیونکہ وہ کوئی بھی کام اب اپنے وقت پر نہ کرتا
تھا نہ کھانا وقت پر کھاتا اور نہ کھیلنے کے لیے باہر پارک جاتا تھا اور نہ پڑھائی میں توجہ دیتا
تھا۔امتحان نزدیک آچکے تھے اور احمد کی تیاری مکمل نہیں ہوئی تھی جبکہ وقار نے امتحانات
کی تیاری بہت اچھی کی تھی جس کی وجہ سے وقار کی پہلی پوزیشن آئی تھی جبکہ احمد تیسرے
نمبر پر آیا ہے۔وقار کو بہت افسوس ہوا کہ اس کا دوست جو اول آتا تھا اب تیسرے نمبر پر
آتا ہے۔شام کو جب وقار احمد کے گھر گیا تو وہ کمپیوٹر پر گیمز کھیل رہا تھا۔وقار کو دیکھ کر
اس نے مبارکباد دی جب وقار نے اس سے باہر کھیلنے کو کہا تو اس نے اسے منع کر دیا اور

وقار وہاں سے چلا گیا۔ ایک دن جب اتوار کا دن تھا اور وہ صبح سے کمپیوٹر پ
رہا تھا۔ جب بہت رات ہوگئی اور اسے نیند آنے لگی تو وہ کمپیوٹر آف کر کے
تو اس کا سر چکرانے لگا اور وہ زمین پر گر گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے
بستر پر لیٹا ہوا تھا اس کے امی، ابو، نانی اور اس کا دوست وقار اس کے
تھے۔ احمد کے پوچھنے پر امی نے بتایا کہ جب تم کافی دیر تک کمپیوٹر پر گیمز
تمہیں چکر آئے اور تم بے ہوش ہوگئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اسے بتایا کہ مسا
بیٹھنے کی وجہ سے تیز شعاعوں نے تمہاری آنکھوں کو کمزور کر دیا ہے جس کی و
نظر کا چشمہ لگانا پڑے گا جس پر احمد کو بہت افسوس ہوا، اس نے اپنے امی ابو
برے برتاؤ کیلئے معافی مانگی اور آئندہ اپنا کام وقت پر کرنے کا وعدہ کیا۔

☆......☆......☆

شرارت سے توبہ

فخر اور علی دونوں گہرے دوست تھے اور ایک ہی اسکول ک
جماعت کے طالب علم تھے۔ دونوں کا گھر قریب ہونے کی بنا پر ایک
جاتے اور گھر واپس آتے۔ فرصت کے اوقات میں نت نئی شرارتیں کرنا
مشغلہ تھا۔ ان کی شرارتوں سے پورا محلہ تنگ آچکا تھا لیکن وہ تھے کہ ما
تھے۔ ایک دن علی نے فخر سے کہا یار فخر! یہ جو ہمارے گھر کے سا
صاحب ہیں نا وہ اپنے گھر پہ تالا لگا کر کہیں گئے ہوئے ہیں۔ اگر ان ک
تنکے بھر دیئے جائیں تو کیسا رہے گا۔ یاد ہے کہ ایک دفعہ جب ہم نے ا
کی ہوا نکالی تھی تو انہوں نے کتنی درگت بنائی تھی میری، تھوڑی دیر
چوہدری صاحب کے دروازے پر کھڑے تھے۔ گلی سنسان تھی، موقع

دل کے ساتھ تالا پکڑا، علی نے جیب سے تنکا نکال کر تالے کے سوراخ
۔ کام مکمل ہوگیا اور دونوں بڑے مزے سے اپنی گلی میں چھپ چھپ کر جھانکتے
ا دیر بعد چوہدری صاحب آئے انہوں نے چابی نکالی اور تالے میں
ش کی لیکن سوراخ میں تو تنکا تھا بے چارے ایک گھنٹے تک لگے رہے
لا۔ بالآخر بڑی مشکل سے تالا توڑ کر انہیں اپنے گھر میں جانا نصیب
ر یہ تماشا دیکھ کر بے حد ہنسے۔
یک دن علی کے گھر والے کسی تقریب میں گئے ہوئے تھے اور علی گھر
۔ وہ بستر پر لیٹ کر اگلے دن کی شرارت کے متعلق سوچ رہا تھا۔ کافی
اچانک اس نے دیکھا کہ کمرے میں کہیں سے دس بارہ بونے ایک
اس کی طرف آرہے ہیں انہیں دیکھ کر اس کی تو مارے خوف کے گھگھی
چار بونے ایک بڑا سا تالا اٹھا کر اس کی طرف لائے اور اسے زنجیر
باندھ کر تالا لگا دیا۔ ایک بونا تنکا اٹھا کر لایا اور تالے کے سوراخ میں
رونے لگا معافیاں مانگنے لگا لیکن بے سود، اب ایک بونے نے اوپر
ہاتھ میں چابی پکڑا دی پھر سب بونے چاروں طرف پھیل گئے اور ہر
نی شروع کر دی۔ علی بہت چیخا چلایا، رو رو کر التجا کی لیکن بونے
رہے۔ آن کی آن میں آگ بھڑک اٹھی۔ علی نے بہت کوشش کی کہ
نا چلی جائے اور وہ آزاد ہو جائے لیکن سوراخ میں تو تنکا گھسا ہوا تھا
تہ اس کے کپڑوں میں آگ لگ گئی۔ درد کی شدت سے اس کی
نکل رہی تھیں پھر وہ بے ہوش ہوگیا۔ ارے بھئی علی! کیا ہوا، آنکھیں
، آنکھیں کھولیں۔ فخر اور سب گھر والے اس پر جھکے ہوئے کھڑے
نے سب کو اس خواب کی داستان سنائی جسے سن کر سب کے قہقہے بلند

ہوئے اور علی کا بہت مذاق اڑایا اور پھر تھوڑی ہی دیر میں فخر اور علی چوہدری صاحب کے تالے میں تنکا ڈالنے والی اپنی شرارت سے بھی کو آگاہ کر رہے تھے۔
اس پر علی کی دادی جان نے نصیحت کرتے ہوئے کہا۔ بچو! آپ دونوں کو ایسی حرکتیں نہیں کرنی چاہئے جس سے کسی کو اور خاص طور سے پڑوسی کو تکلیف پہنچے، پڑوسی کا سب سے بڑا حق تو یہ ہے کہ اپنے ہر کام میں اس بات کا پورا خیال رکھا جائے کہ اپنی ذات سے اس کو تکلیف نہ پہنچے۔ چاہے پڑوسی غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے پڑوسی کے بہت حقوق رکھے ہیں۔

دادی جان کی بات سننے کے بعد فخر اور علی نے شرارت سے توبہ کر لی اور یہ وعدہ بھی کیا کہ آئندہ پڑوسی کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آئیں گے اور اپنی شرارت سے کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں گے۔

☆......☆......☆
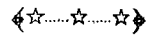
بھروسا

میٹرک کے امتحانوں میں صرف چند دن ہی باقی رہ گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ فخر اور احمد اپنے تمام مشاغل کو ترک کر کے زور و شور سے پڑھائی کرنے میں مصروف تھے۔

فخر اور احمد دونوں سگے بھائی تھے اور میٹرک کے طالب علم تھے۔ عصر کی اذان ہوئی تو احمد، فخر کے پاس آیا اور بولا "چلو فخر پہلے نماز پڑھ آتے ہیں پھر آ کر باقی کام کریں گے۔" فخر جو بڑے مگن انداز میں ریاضی کے سوال حل کر رہا تھا سر اٹھائے

فیر بولا۔ "بھئی تم اکیلے ہی چلے جاؤ، جتنا وقت نماز پڑھنے میں لگے گا اتنے وقت میں یری مشق مکمل ہو جائے گی اور میں نہیں چاہتا کہ میرا وقت ضائع ہو کیونکہ میں نے ٹرک فرسٹ ڈویژن سے پاس کرنا ہے۔"

"فخر نماز پڑھنے سے وقت ضائع نہیں ہوتا بلکہ ہم نماز پڑھ کر اپنے تحانوں میں کامیابی کی دعا کریں گے کیونکہ دوا کے ساتھ ساتھ دعا بھی بہت ضروری ہے۔"

"بھئی تم ہی جاؤ اور اپنے لئے ہی دعا کرو کیونکہ مجھے تو دعا کی ہرگز ضرورت ں، مجھے تو ساری کتابیں اچھی طرح رٹی ہوئی ہیں اور مجھے یقین ہے میری فرسٹ یژن ہی آئے گی۔"

فخر کے لہجے سے غرور جھلک رہا تھا۔ احمد افسوس سے سر ہلا کر بولا۔ فخر غرور نا اچھی بات نہیں، کامیابی اور ناکامی دینا تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا چاہے تو اسے یاب کر دے جس نے اتنی زیادہ تیاری نہ کی ہو مگر خدا پر بھروسہ کیا ہو اور خدا چاہے تو ، ناکام کر دے جس نے سارا سال بہت محنت کی ہو مگر خدا پر بھروسہ نہ کیا ہو۔

فخر، کیا تمہیں استاد صاحب کی بات یاد نہیں۔ انہوں نے کہا تھا کہ اپنی محنت ، غرور نہ کرنا بلکہ صرف اور صرف خدا پر بھروسا کرنا جو ممکن کو ناممکن اور ناممکن کو ممکن تا ہے۔" احمد نے بات ختم کی تو فخر زور زور سے ہنسنے لگا اور بولا: "احمد، تم تو بالکل بے وقوف ہو کہ استاد صاحب کی باتوں کو سچ سمجھ بیٹھے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس سارا سال محنت کی ہو وہ ناکام ہو جائے اور جس نے اتنی زیادہ محنت نہ کی ہو اور خدا سا کیا ہو وہ کامیاب ہو جائے۔"

فخر نے شان بے نیازی سے کہا اور دوبارہ کتابوں پر جھک گیا۔

"تم میری باتوں کا یقین کرو یا نہ کرو مگر یہی سچ ہے۔" احمد نے کہا اور نماز

نے چل دیا۔

امتحانوں کے دن قریب آتے جا رہے تھے۔ فخر سارا سارا دن اور آدھی
ی رات تک کتابوں میں سر دیئے بیٹھا رہتا جبکہ احمد نے اپنا ایک ٹائم ٹیبل بنا رکھا تھا
س کے مطابق وہ نماز پڑھتا، قرآن کی تلاوت کرتا اور اپنے امتحانوں میں کامیابی کے
ئے دعا کرتا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ امتحانوں کی تیاری بھی زور و شور سے کرتا
ا......اور آخر کار وہ وقت آن پہنچا جب فخر اور احمد کمرہ امتحان میں بیٹھے تھے۔ سوالیہ
چہ تقسیم ہو چکا تھا۔ فخر نے جیسے ہی پرچہ پکڑا تو اس کا ذہن ماؤف ہو گیا۔ پرچے میں وہ
ام سوال تھے جو اس نے یاد کئے ہوئے تھے مگر اس وقت اس کے ذہن میں کچھ نہیں
ر ہا تھا جبکہ احمد نے اللہ کا نام لے کر پیپر حل کرنا شروع کر دیا تھا۔ وقت گزرتا جا رہا تھا،
ر کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا کیونکہ وہ تمام سوالوں کے جواب بھول چکا تھا جو
س نے پہلے یاد کئے تھے۔

پھر فخر کو احمد کی باتیں یاد آنے لگیں۔ "اللہ چاہے تو اسے کامیاب کر دے
س نے اتنی زیادہ تیاری نہ کی ہو مگر خدا پر بھروسا کیا ہو اور اللہ چاہے تو اسے ناکام کر
ے جس نے سارا سال محنت کی ہو مگر خدا پر بھروسا نہ کیا ہو۔" آگہی کے دریچے کھلتے
چلے گئے۔ فخر کو اب احساس ہو رہا تھا کہ احمد کی باتیں صحیح اور سو فیصد حقیقت تھیں۔ فخر
نے اس وقت دل میں خدا کو یاد کیا اور اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگی۔ پھر اسے وہ تمام
وال آہستہ آہستہ یاد آنے لگے جو اس نے کبھی یاد کئے تھے۔ فخر دل میں خدا کو یاد کر رہا
ا اور اس کا قلم برق رفتاری سے چل رہا تھا۔" آج اس کی سمجھ میں یہ بات آ چکی تھی کہ
ا کے ساتھ ساتھ دعا بھی بہت ضروری ہے کیونکہ کامیابی اور ناکامی اللہ کے ہاتھ میں
ہے۔

☆......☆......☆
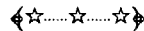
فقیر کی بددعا

سیٹھ اکرم بہت بڑے تاجر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ساری
، اور زندگی کی ہر نعمت سے نوازا تھا۔ وہ اپنی بیگم اور بیٹے بلو کے ساتھ ایک بہت
وٹھی میں رہتے تھے۔ بس ایک ہی برائی تھی کہ اتنی دولت نے ان کو بہت مغرور کر
ا۔ وہ غریبوں کی مدد کرنا تو در کنار، ان سے بات کرنا تک گوارا نہیں کرتے تھے۔

ایک دن صبح سویرے سیٹھ اکرم اپنے پالتو جانوروں کو کھانا کھلا رہے تھے کہ
ے پر دستک ہوئی۔ چوکیدار چھٹی پر تھا اس لئے مجبوراً اُن کو خود دروازہ کھولنے
جانا پڑا۔ چوکیدار کو صلواتیں سناتے ہوئے جب انہوں نے دروازہ کھلا تو سامنے
ہت ضعیف بزرگ کھڑے تھے۔ حلیئے سے فقیر لگتے تھے۔ سیٹھ اکرم نے بہت رو
کھائی
ن۔ سے آنے کی وجہ پوچھی، تو فقیر نے کہا کہ اللہ کے نام پر کچھ مدد کریں۔ صاحب
لٰہ آپ کے رزق میں برکت دے۔ یہ سننا تھا کہ سیٹھ اکرم کا پارہ چڑھ گیا۔ انہوں
ہت بدتمیزی سے جواب دیا کہ میں اس لئے کماتا ہوں کہ تم جیسے کام چوروں کی مدد
وں، ہڑتال والے دن بھی چین نہیں ہے، بھیک مانگتے ہوئے شرم نہیں آتی صبح
ارے موڈ کا ستیاناس کر دیا، دفع ہو جاؤں یہاں سے۔ یہ سن کر بزرگ فقیر نے ک
ہ صاحب غرور کا سر کبھی اٹھا نہیں رہتا۔ یاد رکھنا اس غریب کی بددعا ہے کہ تم رزق
ب ایک نوالے کو ترسو گے۔

انہوں نے فقیر کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔ ابھی
پلٹے ہی تھے کہ باورچی خانے سے خانساماں کی دلدوز چیخ سنائی دی
بھاگے۔ باورچی خانے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ خانساماں ز

کہ گھر کے قریب واقع ''چھوٹے'' سے ہوٹل سے کھانا لے آنا چاہیے۔ ان کی خوش قسمتی
تھی کہ ہڑتال والے دن بھی ہوٹل کھلا ہوا تھا مگر ان کی بدقسمتی کہ ابھی انہوں نے ایک
نوالہ ہی لیا تھا کہ نہاری کی پلیٹ میں انہیں کوئی چیز تیرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ الٹ پلٹ
کر دیکھا تو پتا چلا کہ ایک موٹا تازہ کاکروچ کھانے کی پلیٹ میں ان کا منہ چڑا رہا تھا۔
یہ دیکھنا تھا کہ وہ اپنی قے نہ روک سکے۔

انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے؟ اتنا بڑا تاجر جس کے
گھر میں دولت کی ریل پیل تھی، روٹی کے ایک نوالے کو ترس رہا تھا۔ اچانک ان کے
ذہن میں فقیر کی بددعا کے الفاظ گونجنے لگے۔ اب انہیں احساس ہوا کہ صبح ان کے گھر
پر سوالی بن کر آنے والا کوئی عام فقیر نہیں بلکہ اللہ کے نیک بزرگ تھے اور یہ ان کی بے
عزتی کرنے کی سزا تھی جو سیٹھ اکرم بھگت رہے تھے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے
گاڑی نکالی اور ضعیف فقیر کو ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے۔ شام سے رات ہو گئی مگر
بزرگ کا کہیں پتا نہیں چلا۔ اچانک ان کو فٹ پاتھ کے قریب ایک خستہ حال جھونپڑی
نظر آئی جس میں ہلکی ہلکی روشنی تھی۔ وہ گاڑی سے اترے اور جھونپڑے میں داخل ہو
گئے۔ ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کیونکہ جھونپڑی میں وہی بزرگ محو عبادت تھے جن کو
صبح سیٹھ اکرم نے روتے ہوئے بزرگ سے معافی مانگی اور وعدہ کیا کہ آئندہ وہ کبھی
غرور نہیں کریں گے کیونکہ دولت کی کوئی حقیقت نہیں، اصل حقیقت تو انسان کے اعمال
، کردار اور اخلاق کی ہے۔

بزرگ نے شفقت سے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور پاس رکھی ہوئی
کپڑے کی چھوٹی سی گٹھری سیٹھ اکرم کو دی۔ سیٹھ اکرم نے گٹھری کھولی تو اس میں
سوکھی روٹی اور اچار کا ٹکڑا رکھا تھا۔ اس کے ساتھ بزرگ نے مٹی کے پیالے میں
پانی ڈالا اور ان کے پاس رکھ دیا۔ سیٹھ اکرم نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور خوب

گرا ہوا ہے اور اس کے اوپر چائے کی پتیلی اور فرائی پین اوندھے پڑے ہیں۔
دراصل ان دنوں سیٹھ اکرم کی اہلیہ بلو کو لے کر اپنے میکے لاہور گئی
ہوئی تھیں۔ اس لئے ناشتہ خانساماں بنا رہا تھا کہ یہ حادثہ پیش آ گیا۔ سیٹھ صاحب
نے نہ چاہتے ہوئے بھی خانساماں کو اٹھایا اور قریبی کلینک لے گئے۔ اس کے
دونوں ہاتھ بری طرح جل گئے تھے۔ مجبوراً اس کو بھی چھٹی دینی پڑی۔ سیٹھ اکرم
کو خود تو کچھ بنانا آتا نہیں تھا اس لیے سوچا کہ آفس جا کر کچھ کھا لوں گا۔ پھر خیال
آیا کہ آج تو ہڑتال ہے، آفس کہاں کھلا ہوگا۔ اب انہوں نے سوچا کہ ناشتہ نہ صحیح
دودھ ہی پی لیتے ہیں۔ ابھی باورچی خانے میں قدم رکھا تھا کہ آہٹ سن کر بلی
محترمہ جو نہ جانے کتنی دیر سے دودھ کی دعوت اڑا رہی تھیں، تیزی سے کھڑکی کی
طرف بھاگیں اور پیچھے بچے ہوئے دودھ کی پتیلی بھی گرا گئیں۔ بلی کو اچھی طرح
برا بھلا کہنے کے بعد سیٹھ اکرم نے فیصلہ کیا کہ کچھ دیر ٹی وی دیکھا جائے، بعد میں
سوچیں گے کہ کیا کھانا ہے۔

ٹی وی دیکھتے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی ہے۔ اچانک ان کی نظر گھڑی پر پڑی تو
پتا چلا کہ دوپہر کا ڈیڑھ بج چکا ہے۔ اب تو چوہے بلیوں نے ان کے پیٹ میں ناچ ناچ
کر حد ہی کر دی تھی۔ خیر ایک بار پھر باورچی خانے کی تلاشی لینے کی ٹھانی اور کافی
ڈھونڈنے کے بعد باورچی خانے سے ایک بسکٹ کا ڈبہ مل ہی گیا۔ ابھی انہوں نے
پہلا بسکٹ نکالا ہی تھا کہ ان کو بسکٹ پر کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ غور سے
دیکھا تو پتا چلا کہ بسکٹ کا ڈبہ چیونٹیوں سے بھرا ہوا تھا اور آدھے سے زیادہ بسکٹوں کو
چیونٹیاں کھا کر بھرا بھرا کر چکی تھیں۔ سیٹھ اکرم غصے سے دانت پیس کر رہ گئے۔ انہیں سمجھ
نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں؟

بھوک نے زیادہ ستانا شروع کیا تو سیٹھ اکرم نے دل پر پتھر رکھ کر فیصلہ کیا

نا کھایا۔ آج ان کو یہ کھانا فائیو اسٹار ہوٹل کے کھانے سے بھی زیادہ لذیذ
۔ سیٹھ اکرم نے اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا کہ اس نے انہیں سیدھا
ا۔

☆......☆......☆

حاسد لومڑ

کسی جنگل میں تین دوست خرگوش' چڑیا اور طوطا رہتے تھے۔ ان
ں بڑا اتفاق تھا۔ ان تینوں کی دوستی اور محبت پورے جنگل میں مثالی سمجھی
۔ یہ تینوں بہت ہی اچھے اور رحمدل تھے ہر کسی کی مدد کرنے کے لیے ہر
رہتے تھے۔ مشکل گھڑی میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے تھے۔ یہی وجہ
ل کے تمام جانور اور پرندے بھی ان سے بے حد خوش تھے۔ اور ان سے
کرتے تھے۔ اسی جنگل میں ایک لومڑ بھی رہتا تھا۔ لومڑ بڑا حاسد تھا۔ جنگل
نور لومڑ کو پسند نہیں کرتا تھا۔ لومڑ بھی کسی کو خوش و مطمئن نہیں دیکھ سکتا تھا۔
تینوں کی دوستی سے بہت جلتا تھا اور ہر وقت ان تینوں دوستوں میں پھوٹ
ترکیبیں سوچتا رہتا تھا۔ لیکن ہر بار اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔
کے دن تھے۔ تینوں دوست خرگوش چڑیا اور طوطا ندی کے کنارے سیر کو
کرتے کرتے رات ہو گئی لہٰذا انہوں نے رات ندی پر گزارنے کا فیصلہ کیا
گھنے درخت کے نیچے سو گئے۔
اتفاق سے لومڑ کا وہاں سے گزر ہوا تو تینوں دوستوں کو سویا ہوا دیکھ کر
ں ہوا کہ آج ان تینوں میں پھوٹ ڈالنے کا سنہری موقع ہاتھ آ ہی گیا۔ کچھ

سوچ کر لومڑ نے ندی کا رخ کیا اور ندی کی کیچڑ لے کر خرگوش کے سفید بالوں
دی۔ اس نے تھوڑی سی کیچڑ لے کر طوطے اور چڑیا کے پنجوں کے پاس لا کر رکھ
تا کہ ایسا محسوس ہو کہ جیسے طوطے اور چڑیا نے خرگوش کے بالوں پر کیچڑ لگائی۔
یہ کام کر کے لومڑ اپنے منصوبہ پر خوش ہوتا ہوا ندی پر نہانے چلا گیا۔ ابھی اس
نہانا شروع ہی کیا تھا کہ ایک دم اس کی چیخوں سے تینوں دوستوں کی آنکھ کھل گ
وہ بھاگتے ہوئے ندی پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ مگرمچھ نے لومڑ کو اپنے دانتوں
پھنسا رکھا ہے اور لومڑ مدد کے لیے پکار رہا ہے۔ بس پھر کیا تھا چڑیا اور طوطے
مچھ کے چونچیں مار مار کر اس کی آنکھیں زخمی کر دیں۔ زخم کی تکلیف سے مگرمچھ
منہ کھولا تو لومڑ آزاد ہو گیا۔ خرگوش لومڑ کو گھسیٹ کر کنارے پر لے آیا پھر طوطے
چڑیا نے اپنی چونچوں میں پانی بھر بھر کر لومڑ کے منہ پر ڈالا جس سے لومڑ کے حو
درست ہوئے۔ اب خرگوش نے اپنے بالوں کی طرف دیکھا تو حیران رہ گیا۔
کے سفید بال کیچڑ لگنے کے باعث بالکل گندے ہو گئے تھے۔ وہ اپنے بالوں پر لگی
کو صاف کرنے لگا۔ اور اپنے دوستوں سے پوچھنے لگا یہ حرکت کس نے کی ہے" مج
کیچڑ کس نے ڈالی تھی۔ یہ سن کر لومڑ بولا۔ یہ سب کچھ میں نے کیا ہے۔ میں آ
تینوں کی دوستی اور محبت سے بہت جلتا تھا۔ اور ہر وقت آپ لوگوں کے درمیان پھو
ڈالنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔ لیکن ہر مرتبہ ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا تھا۔ اس مرتبہ
نے آپ لوگوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا کہ آپ
بالوں پر کیچڑ مل دی اور تھوڑی سی کیچڑ طوطے اور چڑیا کے پنجوں کے پاس لا کر رکھ د
لیکن قدرت نے مجھے میرے کیے کی سزا دی۔ مجھے آئندہ کے لیے نصیحت ہو گئی ہے
مجھے ہر ایک کے ساتھ محبت اور اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔ اور حسد سے بچنا چاہیے
اب آپ تینوں کی مرضی ہے کہ آپ جو چاہیں مجھے سزا دیں یا مجھے معاف کر دیں

خرگوش نے کہا۔ تمہیں تمہارے کیے کی سزا اللہ کی طرف سے مل گئی ہے۔ لہذا تینوں دوستوں نے لومڑ کو معاف کر دیا اور اپنا دوست بنالیا وہ سب ہنسی خوشی جنگل میں زندگی بسر کرنے لگے۔ لومڑ نے دوبارہ کسی کو تنگ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ خود بھی ہر ایک کی مدد کرنے لگا۔

☆......☆......☆
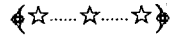
چالاک بندر

ایک تھا بندر اس کے سر پر سونے کا بال تھا۔ ایک دن اس کے سر پر کانٹا چبھ گیا۔ وہ گیا نائی کے پاس۔ اس سے کہا میرے سر سے کانٹا نکال دو۔ نائی نے کہا بھائی کانٹا تو میں نکال دوں گا مگر تمہارے سر پر جو سونے کا بال ہے۔ وہ کٹ جائے گا۔ بندر نے کہا' میرا کیا جاتا ہے تمہارا کیا جاتا ہے کٹتا ہے تو کٹ جائے۔ نائی نے استرا لے کر بندر کے سر میں سے کانٹا نکال دیا مگر اس کے ساتھ ہی سونے کا بال بھی کٹ گیا۔ بندر نے نائی سے استرا چھین لیا اور کہا'' بھئی سنو میرا سونے کا بال تمہارے پاس ہے تمہارا استرا ہمارے پاس'' استرا لے کر بندر چلا جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گھسیارا ملا۔ میاں گھسیارا ہاتھ سے گھاس اکھاڑ رہا تھا۔ بندر نے کہا''
میاں
گھسیارے تم ہاتھ سے کیوں گھاس اکھاڑ رہے ہو؟ لو یہ میرا استرا' اس سے گھاس کاٹ لو۔ گھسیارے نے کہا بھئی تمہارا استرا ٹوٹ جائے گا'' بندر نے کہا' میرا کیا جاتا ہے تمہارا کیا جاتا ہے۔ لو میرا استرا اور گھاس کاٹ لو۔ گھسیارے نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر میں استرا گھاس کاٹتے ہی ٹوٹ گیا۔ بندر نے جھٹ سے اسکا کمبل

اٹھایا اور بولا'' میرا استرا تمہارے پاس اور تمہارا کمبل میرے پاس یہ کہہ کر وہ آگے چل دیا۔ آگے ایک بنیا ملا۔ جو ہاتھ سے گڑ توڑ رہا تھا۔۔ بندر نے کہا لو میرا یہ کمبل اور اس پر رکھ کر گڑ توڑ ڈالو۔ بنیے نے کہا بھئی اس طرح تمہارا کمبل خراب ہو جائے گا بندر نے کہا میرا کیا جاتا ہے تیرا کیا جاتا ہے خراب ہوتا ہے تو ہو جائے۔

بنیے نے کمبل لے لیا اور اس پر رکھ کر گڑ توڑنے لگا۔ گڑ توڑنے سے کمبل خراب ہو گیا۔ بندر نے بنیے کا سارا گڑ اٹھا لیا۔ بنیے نے کہا' بھئی یہ کیا''؟ بندر نے کہا بھئی سنو! میرا سونے کا بال نائی کے پاس نائی کا استرا میرے پاس میرا استرا گھسیارے کے پاس گھسیارے کا کمبل میرے پاس میرا کمبل تمہارے پاس'' تمہارا گڑ میرے پاس بنیا چپ ہو گیا۔ بندر آگے چلا تو اسے ایک بڑھیا ملی بیٹھی گل گلے پکا رہی تھی۔ بندر نے اس سے ایک گل گلہ مانگا۔ بڑھیا نے اٹھا کر دے دیا اسے کھا کر بندر بولا۔ یہ تو پھیکا ہے۔ تم میرا یہ گڑ لے لو بڑھیا نے کہا بھائی تمہارا گڑ ختم ہو جائے گا۔ بندر نے کہا'' میرا کیا جاتا ہے تمہارا کیا جاتا ہے' ہو جائے ختم' بڑھیا نے اٹھا کر آٹے میں سارا گڑ ڈال دیا۔ جب بڑھیا گل گلے پکا چکی تو بندر اس کے سارے گل گلے اٹھا کر بھاگنے لگا۔ بڑھیا نے کہا'' یہ کیا بندر نے کہا بی بڑھیا سنو میرا سونے کا بال نائی کے پاس' نائی کا استرا میرے پاس میرا استرا گھسیارے کے پاس گھسیارے کا کمبل میرے پاس میرا کمبل بنیے کے پاس بنیے کا گڑ میرے پاس میرا گڑ تمہارے پاس تمہارے گل گلے میرے پاس' بڑھیا چپ ہو گئی۔

آگے چلا تو ایک بارات ملی۔ بندر نے کہا'' کیسی بارات ہے، سب سوکھے منہ چلے جا رہے ہیں۔ اگر کچھ نہیں تو باراتیوں کو یہ گل گلے کھلا دو۔'' سب نے کہا'' نا بھائی تمہارے گل گلے ختم ہو جائیں گے۔'' بندر نے جواب دیا۔'' میرا کیا جاتا ہے، تمہارا کیا جاتا ہے، ختم ہو جائیں۔'' باراتیوں نے بندر کے گل گلے

کھانے شروع کر دیئے۔ جب گل گلے ختم ہو گئے تو بندر ڈولی میں سے دلہن کو نکا
کر چلتا بنا۔ تمام لوگ دوڑے "ہائے ہائے! دوڑو پکڑو، دیکھو غضب ہو گیا۔ بن
دلہن کو لئے جا رہا ہے۔" بندر نے کہا "بھائیو سنو! میرا سونے کا بال نائی کے پاس
نائی کا استرا میرے پاس۔ میرا استرا گھسیارے کے پاس۔ گھسیارے کا
میرے پاس۔ میرا کمبل بنیئے کے پاس۔ بنیئے کا گڑ میرے پاس۔ میرا گڑ بڑھیا
پاس۔ بڑھیا کے گل گلے میرے پاس۔ میرے گل گلے تمہارے پاس۔ تمہا
دلہن میرے پاس۔" لوگوں نے کہا "مارو اس بندر کو۔" بندر نے بھاگنے کی کوش
کی مگر پکڑا گیا۔ لوگوں نے مار مار کر اس کی ہڈی پسلی ایک کر دی۔ انہوں نے د
واپس لے لی اور بندر جنگل میں پڑا ہائے ہائے کرتا رہ گیا۔ سچ ہے زیادہ چا
اچھی نہیں ہوتی۔

☆......☆......☆